فہرست

اداریہ	ابتدا تیرے نام سے	صائمہ اسما	5
انوارِ ربانی	مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ	افشاں نوید	7
قولِ نبیؐ	مصائب وآلام سے بچاؤ	مولانا اشرف علی تھانویؒ	11
خاص مضمون	افکارِ اقبالؒ کا احیا	ڈاکٹر بشریٰ تسنیم	17
رپورتاژ	عالم اسلام کے دل کی دھڑکنیں	ڈاکٹر آسیہ شبیر	20
حالاتِ حاضرہ	سندھ میں سیلاب کی تباہ کاریاں	افشاں نوید	25
نوائے شوق	غفرانک ربنا	شمیم فاطمہ	28
	امر کہانی	نجمہ یاسمین یوسف	29
	سوالوں کے سلسلے	شمیم فاطمہ	29
حقیقت وافسانہ	ترے در سے حسنِ طلب ملے	قانتہ رابعہ	30
	رزقِ ابلیس	غزالہ ارشد	34
	مشکل تو نہیں	ڈاکٹر ممتاز عمر	39
منتخب افسانہ	گھر واپس جب آؤ گے تو	محمد ظہیر بدر	42
سفرِ عقیدت	ہم بھی حاضر تھے!	فرحت طاہر	47
ہلکا پھلکا	مقدر کا ستارہ	بنتِ احسن علوی	56
آپ بیتی	داستانِ عطا و بخشش	ڈاکٹر ثمین ذکا	59
نہاں خانۂ دل	مجھے یقین ہے	مسفرہ اسلام	64
حسن و صحت	صحت مند زندگی کیسے	ڈاکٹر نجیب الحق	65
گھر داری	میرا تجربہ	اسما ممتاز	68
کچن کارنر	بقرعید کے خاص پکوان	نورالعین کوکب	69
محشر خیال	رفعت اشتیاق، شازیہ اویس، مسفرہ اسلام		72
بتول میگزین	رابی سحر، عظمیٰ آفرین، ارم آصف، میمونہ اعظم، عمارہ احسن، ڈاکٹر عذرا یاسمین، رضوانہ اعجاز		73
حسنِ معاشرت	اے عازمینِ حج!	طاہرہ فرحت	78

ابتدا تیرے نام سے

محترم قارئین! حج کا مبارک مہینہ ہے۔خوش قسمت زائرین دنیا کے کونے کونے سے کھنچ اس مرکز محبت میں جمع ہو چکے ہیں۔خانۂ خدا لبیک کی صداؤں سے معمور ہے۔گھر میں بیٹھ کر سکرین پر یہ روح پرور مناظر دیکھتا ہوا ہر مسلمان اپنے دل کے تار اُن فضاؤں سے جڑے ہوئے محسوس کرتا ہے۔اللہ کرے یہ زبردست روحانی تجربہ امت کی بیداری کا سبب بھی بن سکے۔

ملک میں توانائی کے زبردست بحران کے ساتھ اب پاکستان ریلویز اور پی آئی اے جیسے بڑے بڑے اداروں کا زوال نہایت تکلیف دہ خبر ہے، اگرچہ غیر متوقع نہیں، کیونکہ یہ سانحہ بھی پوری ملکی صورتحال سے جڑا ہوا ہے۔کرپشن اور نااہلی کی انتہا رفتہ رفتہ تمام ملکی اداروں کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے اور اب یکے بعد دیگرے اس کے نتائج نظر آنے لگے ہیں۔اُدھر سیاسی منظر نامے میں خاصی ہلچل شروع ہوگئی ہے۔موجودہ حکومت کو تین سال تک بڑے سکون سے لوٹ مار کرتے اور ملکی مسائل کو داؤ پر لگاتے دیکھنے والے شریف برادران کو بھی اب صدر زرداری مداری لگنے لگے ہیں، یکا یک ان کی کرپشن اور نااہلی نظر آنے لگی ہے، اپنی ''باری'' قریب محسوس ہونے پر اب وہ بھی عوام کی زبان بولنے لگے ہیں تاکہ ایک بار پھر پیپلز پارٹی کا ہوا دکھا کر دائیں بازو کے ووٹ سمیٹے جاسکیں۔یہ وہی تماشا ہے جو عوام اس سے قبل تین بار ملاحظہ کر چکے ہیں۔اس ڈرامے سے اگر ملک کی قسمت بدل سکتی تو کبھی کی بدل چکی ہوتی۔

اب آسمانوں سے آنے والا کوئی نہیں ہے
اٹھو کہ تم کو بچانے والا کوئی نہیں ہے
تمھارا ہادی ہے صرف قرآن، وہی ہے رہبر
کہ اور راستہ دکھانے والا کوئی نہیں ہے
فضا میں بارود اڑ رہا ہے جدھر بھی دیکھو
جہاں میں اب گل کھلانے والا کوئی نہیں ہے

اس ملک کی تقدیر صرف اس کے عوام بدل سکتے ہیں جو محبّ وطن بھی ہیں اور نظریۂ پاکستان پر پختہ یقین بھی رکھتے ہیں۔اکیسویں صدی کا عنوان وحشت و درندگی ہے۔لیبیا کے حکمران معمر قذافی کو نہایت وحشیانہ انداز میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔گزشتہ آٹھ ماہ سے لیبیا میں جاری انتشار کے دوران مغربی دنیا کے رہنماؤں اور نیٹو کے قبیح جرائم پر پردہ ڈالنے کا

یہ نہایت آسان حربہ تھا۔ انصاف کے کٹہرے میں لانے کی بجائے انعامی رقم کا لالچ دے کر ٹارگٹ کو ختم کروا دینا امریکہ کا پسندیدہ طریقہ ہے تاکہ ثبوتوں اور گواہوں کا جھنجٹ ہی ختم ہو جائے۔ پاکستانی پولیس یہی کام نام نہاد پولیس مقابلوں کے ذریعے کرتی ہے اور امریکہ اور اس کے گماشتے اِس ''حسنِ کارکردگی'' کا مظاہرہ عالمی پیمانے پر کرتے ہیں۔ اس ''کامیابی'' کے باوجود بھی نیٹو کا وہاں سے نکلنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے اگرچہ لیبیا بدترین خانہ جنگی کے دہانے پر کھڑا ہے۔ اسلامی دنیا کے وسائل پر قبضے کا لالچ اب کئی اور بہانے تراشے گا اور کئی اور عنوانات گھڑے گا۔

آ کے وہ میری گلی سے نہیں جانے والا
اور کچھ کام نکالے گا وہ اِس کام کے بعد

اپنی شرائط بنفس نفیس منوانے کے لیے مادام ہیلری کلنٹن نے بذاتِ خود پاکستان میں قدم رنجہ فرمایا۔ یوں بھی دور بیٹھ کر بہت سی باتیں نہیں ہوسکتیں! ان کی تشریف آوری کی خوشی میں ہم نے بھی شمالی وزیرستان میں ''جراحتی'' فوجی حملوں کی ہامی بھر لی۔ مگر اس کے باوجود بی بی سی پر جاری ہونے والی دستاویزی فلم کے ذریعے آئی ایس آئی پر طالبان کی درپردہ حمایت کا الزام لگا دیا گیا ہے۔

امریکہ دنیا بھر میں قتل و غارت، بدامنی، فساد اور خون ریزی کی علامت بنا ہوا ہے، مگر اپنی طاقت کا نشہ اور تکبر اس کو مکافاتِ عمل سے بچانے والا نہیں ہے۔ اس کا واضح ثبوت خود امریکہ میں ہونے والے بڑے بڑے مظاہرے ہیں جن کی چند جھلکیاں ''وال سٹریٹ پر قبضہ'' کے عنوان سے دنیا نے دیکھیں۔ امریکہ کی جس معاشی تباہی کی پیشین گوئیاں گزشتہ بیس سال سے کی جا رہی تھیں، اب وہ تباہی سر پر آ چکی ہے اور سرمایہ دارانہ نظام اپنے ہی وطن مالوف میں آخری سانسیں لے رہا ہے۔ غربت اور بیروزگاری کی شرح بے حد بڑھ جانے پر ان کے اپنے عوام حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ مگر ان کی حکومت کو دنیا بھر کی تھانیداری سے فرصت ملے تو اُن کی بہتری کے لیے سوچے! واشنگٹن ڈی سی میں ہزاروں شہریوں نے احتجاجی دھرنے کے دوران عراق اور افغانستان سے فوجیں واپس بلانے کا مطالبہ کیا۔ اگرچہ مغربی حکومتیں اپنے عوام کے سامنے اپنی فوجی سرگرمیوں کی بڑی خوش کن تصویریں دکھاتی ہیں اور خود کو دنیا بھر میں امن کے ٹھیکیدار بنا کر پیش کرتی ہیں، اس کے باوجود ان کے عوام اس جنگی جنون سے نالاں ہیں اور بھاری فوجی اخراجات کو ختم کر کے یہ بجٹ عوام کی بہتری پر خرچ کرنے کے حامی ہیں۔ اگرچہ ویت نام جنگ سے سیکھے ہوئے سبق کے نتیجے میں اس بار امریکہ نے میڈیا پر مکمل کنٹرول کے ذریعے اپنے عوام تک اصل حقائق پہنچنے ہی نہیں دیے، اس کے باوجود اس کو اندرونی طور پر اس قدر مخالفت کا سامنا ہے۔ یہ صورتحال بھی ہمیں امریکہ کے مطالبات کو ہمت سے رد کرنے اور اپنے مفادات کے مطابق حکمت عملی تشکیل دینے کی کھلی دعوت دے رہی ہے۔

آپ سب کو عشرہ ذی الحج اور عیدالاضحیٰ مبارک ہو۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

دعاگو
صائمہ اسما

سرورق: درودیوارِ حرم (راشد ظہور کے کیمرے سے)

مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ میں عورت کا کردار

مومن مرد اور مومن عورت، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل ہوکر رہے گی، یقیناً اللہ سب پر غالب اور حکیم و دانا ہے (سورۃ التوبہ آیت ۷۱ پارہ ۱۰۰)

ہم مسلمانوں کی جس بیداری اور نشاۃ ثانیہ جدیدہ کے خواہشمند ہیں وہ خالصتاً قرآنی بنیادوں پر ہے ہم جانتے ہیں کہ قرآن نے ہمیں جو اسپرٹ دی ہے اور رہتی دنیا تک کے لئے جو اصول متعین کردیئے ہیں وہ غیر متبدل ہیں۔

بحیثیت مسلمان عورت ہمیں اکیسویں صدی کے تقاضوں اور امت کو درپیش خطرات کو محسوس کرتے ہوئے ایک طرف روح قرآنی کو ٹھیک ٹھیک اپنے اندر جذب کرنا ہوگا اور دوسری جانب اپنی قوت فکر و نظر کو صحیح سمت میں متعین رکھنا ہوگا، اپنے علم کی ترقی ہم میں سے ہر اک کی انفرادی ذمہ داری ہے۔ اپنے اطراف میں پیش آنے والے احوال اور تغیرات کا ہمیں بر وقت اور درست سمت میں تجزیہ کرنا ہوگا، اور اپنے شعور و آگہی کو اپنے خاندان سے لیکر درجہ بدرجہ عام لوگوں تک پہنچانا ہوگا۔ جن خواتین کو اللہ نے صلاحیت دی ہے وہ ضرور اپنے افکار، معلومات، تجزیوں کو مرتب کریں کیونکہ وقت ہے کہ ہم اسلام کو ایک dynamic force کی صورت میں دنیا کے سامنے پیش کریں۔ واضح رہے کہ ہم دنیا میں مقتدی نہیں امام بننے کے لئے بھیجے گئے ہیں قرآن ہماری فکر و نظر کو وسعت عطا کرتا ہے جب وہ ہمیں دعا سکھاتا ہے متقیوں کا امام بننے کی۔ واجعلنا للمتقین اماماً اگر ہماری اور ہم جیسے ہزاروں، لاکھوں لوگوں کی پوری پوری عمریں اس بیداری کی مہم میں لگ جائیں تو بھی کافی نہیں ہیں۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ محترم 37ء میں اپنے مکتوب میں جو انہوں نے چودھری نیاز علی خان کو تحریر کیا فرماتے ہیں'' جو کھجور کا درخت لگاتا ہے وہ اس کے پھل نہیں توڑ سکتا۔ ہم خون جگر سے سینچ کر چلے جائیں شاید ہماری دوسری نسل بھی اس کے پھلوں سے پوری طرح لذت آشنا نہ ہو سکے گی۔ ہمیں نتائج کے لئے بے صبر نہیں ہونا چاہیے۔ ہمارا کام ہے کہ عمارت کا نقشہ ٹھیک ٹھیک بنا دیں۔ اس کی بنیادیں اٹھا کر نئی آنیوالی نسل کو تعمیر کا کام جاری رکھنے کے لئے تیار کردیں۔ اس سے زیادہ غالباً ہم کچھ نہ کرسکیں گے۔''

واضح رہے کہ مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ یہ کسی آپریشن کا نام نہیں ہے آپ اس کو یک وقتی عمل سے تعبیر نہیں کر سکتے یہ ایک عمل پیہم ہے۔

اس ضمن میں جب ہم قرونِ اولیٰ کی خواتین کے کردار

پر نظر ڈالتے ہیں تو عورت کے کردار کے حوالے سے بلا شبہ وہ ایک فراخ دل اور کشادہ معاشرہ تھا۔اس نے حیاء اور حجاب کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کے وقار کو مستحکم بنیادوں پر استوار کیا تھا۔

کتنا خوبصورت سبق ہے ہم عورتوں کے لئے بھی اور مردوں کے لئے بھی اس واقعہ میں جو قرآن بیان کرتا ہے کہ بوڑھے باپ حضرت شعیبؑ کی بیٹیاں اپنی بکریوں کو چرانے کے لئے لے جاتی ہیں۔ بکریوں کو پانی پلانے کے ضمن میں حضرت موسیٰؑ ان کی مدد کرتے ہیں جس کو وہ قبول کر لیتی ہیں۔ باپ اور بیٹیوں کے درمیان اعتماد اور دوستی کا ایسا رشتہ ہے کہ بیٹیاں اپنے باپ سے چھپاتی نہیں ہیں، وہ نہ صرف بتاتی ہیں کہ حضرت موسیٰؑ نے بکریوں کو پانی پلانے میں ان کی مدد کی ہے بلکہ حضرت موسیٰؑ کے اوصاف جو انہوں نے اپنی پاکیزہ اور حیادار آنکھوں سے دیکھے تھے وہ بھی بیان کرتی ہیں۔ باپ یہ نہیں سوچتا کہ بیٹیوں کا گھر سے نکلنا ہی فتنوں کا سبب ہے اس لئے آئندہ ان کو گھر میں بند رکھا جائے۔ بلکہ اس نے اپنی بیٹیوں کی جو تربیت کی ہے وہ ان کو سمجھ اور شعور کے جس مقام و مرتبہ پر دیکھتا ہے وہ ان پر شک کرنے کی بجائے ان پر اعتماد کرتا ہے ان کی رائے کو وزن دیتا ہے اور پھر ان لڑکیوں کو دوبارہ بھیجتا ہے کہ اس نوجوان کو بلا کر لائیں اور پھر اپنی بیٹیوں پر لازوال اعتماد کرتے، ان کی رائے کی قدر کرتے ہوئے حضرت موسیٰؑ کو اپنی فرزندی میں لینے کا مشروط فیصلہ کرتا ہے۔حضرت موسیٰؑ وہ شرائط قبول کر کے اس خاندان پر اپنے اعتماد کا اظہار کرتے ہیں۔قرآن ہمیں اسلامی معاشرے کی ان اعلیٰ اقدار سے روشناس کراتا ہے۔ جہاں عورت غیرت کے نام پر قتل کر دی جاتی ہو اور ہر قتل کو ''غیرت'' سے منسوب کر دیا جائے کیا اس معاشرے نے کوئی سبق لیا ہے اسلام کی ان اعلیٰ تعلیمات سے؟ کتنے فیصد باپ ہیں جن کو قرآن کے اس واقعے نے وسیع النظری عطا کی ہے!

ماں کے قدموں کے نیچے جنت کا جو تصور اسلام نے روشناس کرایا وہ عورت کی بھی قدر دانی تھی کہ وہ جہالت زدہ معاشرہ جہاں عورت ہر رشتے اور ہر کردار میں مشکوک تھی، جس کا وجود ہی قابل ملامت تھا، جو پیدائشی طور پر قابلِ گردن زدنی قرار پائی تھی، اس معاشرے میں ان پاکیزہ اسلامی تعلیمات سے کیسے کیسے بھونچال نہ آئے ہونگے۔

اسلامی معاشرے کی عورت تب ہی اپنا کردار ادا کرنے کے قابل ہو سکتی ہے جب اس کو اسی درجہ کا اعتماد اور وقار عطا کیا جائے۔کون نہیں جانتا کہ بیوی سے حسن سلوک کو تقویٰ کا جزو لازم قرار دیا گیا ہے۔ جو عورت شوہر کی طرف سے سکون نہیں پاتی وہ کبھی اس کے بچوں کی تربیت صحت مند اقدار و روایات کے ساتھ نہیں کر سکتی۔گھر کی چار دیواری میں ملکہ قرار پانے والی یہی عورت امر بالمعروف ونهی عن المنكر میں دامے درمے سخنے ہمیں اپنا کردار ادا کرتی ہوئی ملتی ہے۔

یہی تو پر اعتماد مائیں تھیں، امت کی عظیم مائیں، اسلام کے احساس برتری سے سرشار مائیں جو اپنے جگر گوشے خدمتِ رسول ﷺ میں لا کر جہاد کے لئے پیش کر دیتی تھیں اور شہادت کی خبر پا کر حواس باختہ بین کرنا نہیں شروع کر دیتی تھیں بلکہ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ان کی شہادت کی قبولیت کی

دعاؤں کی درخواست کرتی تھیں۔

اگر چہ وہ مخلوط سماج نہ تھا، آزادانہ اختلاط نہ تھا عورت کی آزادی کے نام پر، لیکن مختلف میدانوں میں عورتوں اور مردوں کے درمیان صحت مندانہ اور پاکیزہ تعامل تھا۔ ان دونوں صنفوں کے بیچ مسابقت کی کوئی دوڑ نہ تھی۔ نہ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا اندھا جنون سوار تھا۔ لیکن وہ اپنے حقوق اور کردار سے آگاہ خواتین تھیں۔ اگر شوہر کی طرف سے ملنے والے حقوق میں کمی ہے تو عورتیں براہ راست خدمت اقدسؐ میں حاضر ہورہی ہیں۔ نہ ان کو زجر وتوبیخ کی جارہی ہے، نہ عورت کی شان اور وقار کے منافی قرار دیا جارہا ہے بلکہ ضرورت پڑرہی ہے تو اللہ کے نبیؐ اسی مجلس میں شوہر کو بھی بلا لیتے ہیں، اس کا محاسبہ کرتے ہیں، حق کی ادائیگی پر توجہ دلاتے ہیں اور شوہر جو بلا شبہ خوف خدا رکھنے والا شوہر ہے گھر جا کر بیوی کو ہرگز زدوکوب نہیں کرتا کہ اس کو یہ جرأت کیونکر ہوئی بلکہ پہلے سے بہتر معاملہ کرتا ہے۔ خلفاء راشدین نے بھی اسی روایت کو برقرار رکھا کہ عورتیں اپنے حقوق کے لئے براہ راست خلیفۂ وقت سے رجوع کرتی تھیں اور اس کو ہرگز عیب نہ سمجھا جاتا تھا۔ اس امت کی بیداری میں عورت کے کردار سے تاریخ اسلامی سے معمولی سمجھ بوجھ رکھنے والا فرد بھی آگاہ ہے کہ حضرت سمیہؓ اسلام کی پہلی شہید خاتون تھیں۔ ام عمارہؓ نے غزوہ احد میں جو کردار ادا کیا وہ رہتی دنیا تک امت کو روشنی فراہم کرتا رہے گا، ام شریکؓ کے بارے میں روایات ہیں کہ وہ قریش کے اعلیٰ گھرانوں کی خواتین کے پاس اسلام کی دعوت لے کر جاتی تھیں اور بہت سی خواتین ان کی کوششوں سے حلقہ بگوش اسلام ہوئیں۔ اسما بنت یزیدؓ اور حمنہؓ بنت جحش کے بارے میں تاریخ طبری میں درج ہے کہ ان خواتین نے میدان جنگ میں مردوں کے دوش بدوش ہتھیار اٹھائے اور درجنوں اہل باطل کا خون ان کی تلواروں سے ٹپکا۔ اگر چہ قتال میں حصہ لینا عورتوں کے فرائض میں داخل نہیں ہے لیکن بوقت ضرورت انہوں نے اس کردار کو بھی نبھایا اور رہتی دنیا تک عورتوں کے لئے مثال قائم کی کہ عورتیں اجتماعی امور سے غیر متعلق نہیں رہ سکتیں اور اجتماعی امور میں عملاً سرگرم عمل تھیں۔

حضرت حضرت علی کرم اللہ وجہ، عثمان غنیؓ کی خلافت کے لئے مردوں سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو مقرر کرتے ہیں کہ وہ خواتین کی رائے معلوم کریں۔ یعنی اتنے حساس حکومتی امور میں عورت کی رائے کا اتنا ہی وزن ہے جتنا کہ مرد کی رائے کا۔ کون نہیں جانتا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ حدیث اور تفقہ فی الدین میں 14 سو برس سے امت کے مردوں کے لئے بھی علم کا مینار تھیں، کل بھی مرجع خلائق تھیں اور رہتی دنیا تک ان کے علم سے استفادہ کیا جاتا رہے گا۔

مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ اسی صورت ممکن ہے جب آج کی عورت پوری جرأت کے ساتھ مدینہ کی اسی سوسائٹی کو پھر سے زندہ کرے۔ مدینہ کی پاکیزہ سوسائٹی میں عورت کے کردار پر کون اعتراض کرسکتا ہے؟ ایک طرف آیات حجاب نے اس کو تحفظ فراہم کیا تو دوسری طرف غضِ بصر کے احکامات نے اس کی عفت کو محفوظ کر دیا۔ حق کو اس وقت صرف تائید کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ محض تائید تو ہمیں متبع بناتی ہے، ہم نے تو

ان اعلیٰ قدروں کے داعی اور علمبردار کا کردار ادا کرنا ہے جس کی مثالیں قرونِ اولی کی خواتین نے مرتب کی ہیں۔ ہم حق کی صرف تائید نہیں کرتیں بلکہ اس کی داعی اور علم بردار ہیں کیونکہ قرآن نے علمبرداری کا یہ مشن بغیر کسی صنفی تخصیص کے عورت اور مرد دونوں کے حوالے کیا ہے۔

☆☆☆

مصائب وآلام سے بچاؤ

قرآن واحادیث کی روشنی میں پانچ اعمال

مصائب سے بچنے کے لئے شریعت کی تعلیمات میں ایک واضح دستورالعمل موجود ہے۔اس کا ذیل میں مختصراً ذکر کیا جاتا ہے ۔ جو لوگ مصیبتوں اور پریشانیوں سے حقیقی معنوں میں بچنا چاہتے ہیں ، وہ ان پانچ اعمال کا اہتمام کر کے قلبی سکون اور راحت حاصل کر سکتے ہیں۔

ا۔گناہوں سے بچنا اور کثرت سے استغفار کرنا

مصیبتیں اور پریشانیاں گناہوں کی وجہ سے آتی ہیں ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

''اے گناہ گارو !تم کو جو کچھ مصیبت پہنچی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کیے ہوئے کاموں سے پہنچی ہے۔''

جو مصیبت تم پر آتی ہے،تمہارے اعمال کی وجہ سے آتی ہے ۔ پس ہم کو مصیبت کے وقت اول تو گناہوں کو یاد کرنا چاہیے تاکہ اپنی خطا کو اپنے سامنے پاکر مصیبت سے زیادہ پریشانی نہ ہو کیونکہ اپنی خطا پر جو سزا ہوتی ہے اس سے دوسرے کی شکایت نہیں ہوتی ، بلکہ انسان خود نادم ہوتا ہے کہ میں اسی قابل تھا۔ پھر اجر کو یاد کرے کہ اللہ تعالیٰ نے مصیبت کا بہت ثواب رکھا ہے ۔حدیث میں آتا ہے کہ مسلمان کو جو ایک کانٹا لگتا ہے وہ بھی اس کے لئے ایک گناہ کا کفارہ ہے۔(فضائل صبر وشکر)

رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ کسی کو جو کسی لکڑی سے معمولی خراش لگتی ہے یا قدم کو کہیں لغزش ہو جاتی ہے یا کسی رگ میں خلش ہوتی ہے، یہ سب کسی گناہ کا اثر ہوتا ہے اور جو گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں وہ بہت ہیں۔''

خلاصہ یہ کہ عام انسان جو گناہوں سے خالی نہیں ہے، اُس کو جو بیماریاں حوادث اور مصائب یا تکلیف اور پریشانی آتی ہے وہ سب گناہوں کے نتائج اور آثار ہیں ۔(معارف القرآن)

فرمایا کہ جب ہم حاکم ضلع کو ناراض کر کے چین سے نہیں رہ سکتے تو احکم الحاکمین کو ناراض کر کے کس طرح چین اور سکون سے رہ سکتے ہیں ۔آج ہر طرف سے پریشانی کی شکایت آتی ہے ۔لیکن اصل علاج کیا ہے اس طرف خیال نہیں جاتا۔

اسبابِ رضا کی تو فکر ہے مگر ضدِ رضا یعنی گناہوں سے بچنے کا اہتمام نہیں۔(مجالس ابرار)

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

اے انسان! جو کچھ تجھ پر غم و مصائب اور ظلمات آتے ہیں وہ سب تیری بے باکی اور نافرمانی اور گستاخی کے سبب آتے ہیں۔

پس جب تو غم اور مصائب دیکھے تو جلد استغفار کر، کیونکہ یہ غم خدا کے حکم سے آتا ہے۔ دیوار نے کہا کھونٹے سے کہ میرے اندر کیوں گھستا ہے۔ اس نے کہا مجھے کیا دیکھتی ہے، اسے دیکھ جو مجھے ٹھونک رہا ہے۔ میں تو بے حس ہوں۔

پس اسباب بے بس ہیں۔ یہ مسببِ حقیقی خدا تعالیٰ کے قبضے میں ہیں۔

ہم جب تک حق تعالیٰ کو راضی نہ کریں گے مصائب دُور نہ ہوں گے۔ راضی کرنے کا نسخہ کامل استغفار اور مکمل توبہ ہے۔ یعنی حقوق العباد اور حقوق اللہ کی پوری تکمیل شریعت کے مطابق ہو۔ علامہ آلوسیؒ نے تفسیر رُوح المعانی میں ایک حدیث نقل فرمائی ہے جس میں واضح کیا گیا ہے کہ دنیا کے اکثر مصائب ہمارے معاصی کا نتیجہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سے جو شخص دنیا میں نیک عمل کرے گا، اس کی جزا آخرت میں پائے گا اور جو تم میں سے شر کرے گا، دنیا میں مصائب اور امراض دیکھے گا۔'' (روح کی بیماریاں اور ان کا علاج)

قانونِ مکافات کا یہ ایک قدرتی عمل ہوتا ہے کہ جیسا کرو گے ویسا ہی تمہارے آگے آجائے گا۔ اگر تم نے حق کا مقابلہ کیا، خواہ ترکِ حق سے خواہ معارضہ حق سے، اور اصل سے ہٹ کر بے اصل کی طرف لوٹ پڑے تو حق بھی تمہیں سزا دینے کی طرف لوٹ پڑے گا۔ اور اگر تم وہی کام کرو گے تو ہم بھی وہی کام کریں گے حتیٰ کہ معافی کے بعد بھی اگر یہی حرکت ہوئی تو ادھر سے بھی اعادۂ عذاب کی حرکت ہوگی۔

عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا (بنی اسرائیل ۱۷:۸)

عجب نہیں کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمائے اور اگر پھر وہی شرارت کرو گے تو ہم بھی پھر وہی کریں گے۔ (فلسفہ نعمت و مصیبت)

اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ اس کی نافرمانی کرنے والا یعنی کوئی گناہ کرنے والا کبھی سکون سے نہیں رہ سکتا۔ کسی نہ کسی پریشانی کا کانٹا اس کے دل میں ضرور لگا ہوگا، اگرچہ بظاہر بہت ہی عیش و عشرت میں نظر آرہا ہو۔ اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے کا تجربہ کرنا ہو تو درج ذیل طریقہ اختیار کریں۔

جو شخص گناہوں سے نہیں بچتا اس کے پاس بیٹھ کر دیکھیں، پریشانی اور بے چینی بڑھے گی۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ خود رپریشان ہے۔ جس کے پاس بیٹھنے والا پریشان ہو جاتا ہے، وہ خود کس قدر پریشان ہوگا؟

اس کے برعکس جو شخص گناہوں سے بچتا ہو، اس کے پاس بیٹھنے سے دل کو چین و سکون نصیب ہوگا۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ خود اس کے قلب میں سکون کے کتنے بڑے خزانے ہیں۔ (جواہر الرشید)

دُنیا بھر کے تمام تفکرات اور پریشانیوں کا واحد علاج

صرف اور صرف یہ ہے کہ مالک کو راضی کرلیا جائے۔

آج کی پریشان حال اور ابتر دنیا اگر فی الحقیقت ایک خوش وخرم اور پرسکون زندگی چاہتی ہے تو اپنا رُخ بدلے اور اس کے بھیجے ہوئے مستند قانون کو اپنا کر راہِ عبدیت اختیار کرے کہ اس بارگاہ سے نہ کبھی کوئی مایوس لوٹا ہے اور نہ لوٹے گا اور اس سے کٹ کر نہ کبھی کوئی کامیاب ہوا ہے نہ ہوگا۔ (فلسفہ نعمت ومصیبت)

حق تعالیٰ صاف فرماتے ہیں:

جو کچھ مصیبت تم پر آتی ہے وہ تمہارے گناہوں کی وجہ سے آتی ہے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (الشوریٰ۴۲:۳۰)

''تم لوگوں پر جو مصیبت بھی آئی ہے، تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے آئی ہے، اور بہت سے قصوروں سے وہ ویسے ہی درگزر کر جاتا ہے۔''

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہماری ہر خطا پر مواخذہ نہیں فرماتے، بلکہ بہت سے گناہوں سے درگزر بھی فرما دیتے ہیں۔ مگر جب ہم گناہوں میں بہت ہی زیادہ منہمک ہوجاتے ہیں تو اس وقت مصائب کا نزول ہوتا ہے، تاکہ ہم کچھ اپنی حالت پر توجہ کریں اور سنبھل جائیں، مگر ہم اتنے غافل ہیں کہ تنبیہ سے بھی متنبہ نہیں ہوتے اور جب مصیبت آتی ہے تو سوچتے ہیں کہ ہم سے ایسا کیا قصور ہوگیا جو یہ بلائیں ہمارے اوپر نازل ہوئیں۔ مگر حق تعالیٰ کے ارشاد سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب بلائیں ہمارے گناہوں ہی کی بدولت ہیں (مفاسدِ گناہ)

۲۔ اپنا فرضِ منصبی پورا کرنا

تمام گناہوں سے توبہ و استغفار کے ساتھ ساتھ اپنے فرضِ منصبی میں کوتاہی کرنے پر بھی توجہ کرنی چاہیے۔ اپنے فرض منصبی کو چھوڑنے سے ہم طرح طرح کے مصائب کا شکار ہو گئے ہیں۔ اللہ کے حکم ہماری آنکھوں کے سامنے ٹوٹ رہے ہیں۔ منکرات کا سیلاب اُمڈ آیا ہے۔ ان کو بند کرنے کی کوئی سعی وجدوجہد نہیں ہورہی ہے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر (یعنی نیکیوں کا حکم کرنا اور برائیوں سے منع کرنا) کو چھوڑ نا اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک کی لعنت اور غضب کا باعث ہے۔ جب اُمتِ محمدیہ اس کام کو چھوڑ دے گی تو سخت مصائب وآلام اور ذلت وخواری میں مبتلا کردی جائے گی اور ہر قسم کی غیبی نصرت ومدد سے محروم ہوجائے گی اور یہ سب کچھ اس لئے ہوگا کہ اس نے اپنے فرض منصبی کو نہیں پہچانا اور جس کام کی انجام دہی کی ذمہ دار تھی اس سے غافل رہی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ لا الہ الا اللہ اپنے پڑھنے والے کو ہمیشہ نفع دیتا ہے اور اس سے عذاب وبلا کو دور کرتا ہے، جب تک کہ اس کے حقوق سے بے پروائی نہ برتی جائے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اس کے حقوق سے بے پروائی کیا ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

حق تعالیٰ کی نافرمانی کھلے طور پر کی جائے، پھر نہ ان کا انکار کیا جائے اور نہ ان کے بند کرنے کی کوشش کی جائے۔ (مسلمانوں کی پستی کا علاج)

لہٰذا سب مسلمان اعمالِ صالحہ کے ساتھ ساتھ تمام گناہوں سے بچنے کی کوشش کریں اور دوسروں کو بھی منکرات

سے حکمت وبصیرت کے ساتھ منع کریں۔ پھر تمام پریشانیاں دُور ہوجائیں گی۔

پوری دنیا میں اعلائے کلمۃ اللہ یعنی اللہ کے اوامر زندہ ہو جائیں اور نواہی مٹ جائیں ، اس فریضے کی ادائیگی میں دشمنانِ اسلام کی طرف سے مزاحمت اور رکاوٹوں کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔

مصائب وآلام کا حقیقی علاج یہی ہے کہ:

۱۔تمام گناہوں سے بچا جائے۔

۲۔دوسروں کو نیکیوں کی ترغیب دی جائے اور گناہوں سے منع کیا جائے۔

۳۔مجاہدین فی سبیل اللہ کی جانی ومالی امداد کی جائے۔

مصائب وآلام اور پریشانیوں سے بچنے کا حقیقی اور اصلی علاج یہی ہے۔ باقی تمام نسخے اور علاج اس کے ذیل میں آتے ہیں ۔ آج کل مسلمان ہر طرف سے اعداء (دشمنوں) کے نرغے اور طرح طرح کے مصائب سے پریشان ہو کر قسم قسم کی تدبیریں اس بلا سے نکلنے کے لئے استعمال کررہے ہیں۔لیکن افسوس کہ ان تدبیروں میں بار بار کی ناکامی و نامرادی کے باوجود وہ نہیں آتے تو صرف اس تدبیر کی طرف نہیں آتے جو ان کی سب کامیابیوں کی کفیل اور تجربے سے صحیح ویقینی ثابت ہو چکی ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو صحیح مضبوط کرنا اور اس کے رسول ﷺ کی بتلائی ہوئی تدبیروں پر عمل کرنا۔

۳۔دُعا کا اہتمام کرنا

دُعا بھی ایک تدبیر ہے اور احسن التدبیر ہے۔لوگ اس کو تدبیر نہیں سمجھتے چنانچہ اپنی مہمات میں جہاں بھر کی تدابیر کرتے ہیں اور افسوس ہے کہ جو اصل تدبیر ہے یعنی دُعا، اس سے غافل ہیں (فضائل صبر وشکر)

مشکوٰۃ میں حدیث روایت ہوئی ہے کہ:

دُعا آئی بلا کو ٹالتی ہے اور جو ابھی آئی نہیں اس کو بھی دفع کردیتی ہے۔پس اے اللہ کے بندو! دُعا کو لازم پکڑلو۔

ارشاد فرمایا:

قضا کو صرف دعا ہٹا دیتی ہے، احتیاط وتدبیر سے نہیں ٹلتی۔دُعا نازل شدہ بلا سے بھی نافع ہے اور اس بلا سے بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئی۔اور کبھی بلا نازل ہوجاتی ہے اور ادھر سے دُعا پہنچ کر اس سے ملتی ہے اور دونوں میں قیامت تک کُشتی ہوتی رہتی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان قبل از مصیبت بھی دعا کرتا رہے۔اس کی برکت سے مصیبت نہیں آتی اور کبھی اس کی وجہ سے مصیبت ٹل جاتی ہے۔ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دُعا سے زیادہ کوئی چیز قدر ومنزلت کی نہیں اور جس کو یہ بات پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ سختیوں کے وقت اس کی دُعا قبول فرمالیا کریں اس کو چاہیے کہ خوشی اور عیش کے وقت کثرت سے دعا مانگا کرے۔

ارشاد فرمایا:

دُعا مسلمان کا ہتھیار ہے اور دین کا ستون ہے اور آسمان کا نور ہے۔ دُعا میں خاصیت ہے کہ اس سے تدبیر ضعیف قوی ہوجاتی ہے (شریعت وطریقت)

حضور ﷺ کا مصیبت میں گرفتار ایک قوم پر گزر ہوا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

''یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے عافیت کیوں نہیں مانگتے۔''

ارشادفرمایا کہ:

''دعا میں ہمت نہ ہارو کیونکہ دعا کرتے ہوئے کوئی ضائع نہیں ہوتا۔''(مناجات مقبول)

پس معلوم ہوا کہ مصائب وآلام سے بچنے کے لئے دعا کا اہتمام ایک مضبوط ہتھیار ہے۔

۴۔صدقہ وخیرات کا اہتمام کرنا

حضوراقدس ﷺ کا ارشاد ہے:

''صدقہ کرنے میں جلدی کیا کرو اس لئے کہ بلا صدقے کو پھاندنہیں سکتی۔''

یعنی اگر کوئی بلا و مصیبت آنے والی ہوتی ہے تو وہ صدقے کی وجہ سے پیچھے رہ جاتی ہے۔حدیث میں ہے کہ

''اپنی بیماریوں کا صدقے سے علاج کرو۔''

اور تجربہ بھی اس کا شاہد ہے کہ صدقے کی کثرت بیماری سے شفا ہے۔ایک حدیث میں آیا ہے کہ

''صدقے سے بیماروں کا علاج کیا کرو کہ صدقہ آبرو ریزیوں کو بھی ہٹاتا ہے اور بیماریوں کو بھی ہٹاتا ہے اور نیکیوں میں اضافہ کرتا ہے اور عمر کو بڑھاتا ہے۔''

ایک حدیث میں آیا ہے کہ

''صدقہ کرنا ستر بلاؤں کو روکتا ہے جن میں کم سے کم درجہ جذام اور برص کی بیماری ہے۔''

ایک حدیث میں ہے کہ

''صدقہ برائی کے ستر دروازے بند کرتا ہے۔''

ایک حدیث میں ہے کہ

''صدقہ اللہ جل شانہ کے غصے کو دور کرتا ہے اور بُری موت سے حفاظت کرتا ہے۔''

علمانے لکھا ہے کہ صدقہ مرنے کے وقت شیطان کے وسوسے سے محفوظ رکھتا ہے اور مرض کی شدت کی وجہ سے نا شکری کے الفاظ نکلنے سے حفاظت کرتا ہے اور ناگہانی موت کو روکتا ہے۔غرض حُسن خاتمہ کا معین ہے۔یعنی زندگی کے اچھے انداز سے ختم ہونے میں مدد دیتا ہے۔ایک حدیث میں آیا ہے کہ

''اپنے تفکرات اور غموں کی تلافی صدقے سے کیا کرو۔ اس سے حق تعالیٰ شانہ تمہاری مضرت کو بھی دفع کرے گا اور دشمن کے خلاف تمہاری مدد کرے گا۔''

الغرض بہت سی روایات میں آیا ہے کہ صدقہ بلاؤں کو دور کرتا ہے۔اس زمانے میں جبکہ مسلمانوں پر ان کے اعمال کی بدولت ہر طرف سے ہر قسم کی بلائیں مسلط ہو رہی ہیں ،صدقات کی بہت زیادہ کثرت کرنی چاہیے،مگر افسوس کہ ہم لوگ ان احوال کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بھی صدقات کا اہتمام نہیں کرتے۔(فضائل صدقات)

۵۔مسنون اوراد و وظائف

دعائے کرب:

حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

جس شخص کو کوئی غم یا بے چینی یا اہم کام پیش آجائے اس کو چاہیے کہ وہ یہ کلمات پڑھے ، سب مشکلات آسان ہو جائیں گی۔وہ کلمات یہ ہیں:

لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْعَظِیْمُ الْحَلِیْمُ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ

الْعَرْشِ الْعَظِيْمُ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْم

امام طبریؒ نے فرمایا کہ سلف صالحین اس دُعا کو دُعائے کرب کہا کرتے تھے اور مصیبت و پریشانی کے وقت یہ کلمات پڑھ کر دُعا مانگا کرتے تھے۔

مشکلات کے وقت دعا:

رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ الزہراؓ سے فرمایا کہ

''تمہارے لئے اس سے کیا چیز مانع ہے کہ تم میری وصیت کو سن لو اور اس پر عمل کرو۔ وہ وصیت یہ ہے کہ صبح و شام یہ دعا پڑھ لیا کرو۔''

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ اَصْلِحْ لِيْ شَانِيْ كُلِّهٖ وَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ

یہ دعا بھی تمام حاجات و مشکلات کے لئے بے نظیر ہے۔ (معارف القرآن)

ہر بلا سے حفاظت:

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو شخص شروع دن میں آیت الکرسی اور سورہ مومن کی پہلی تین آیتیں (حٰمٓ سے الیہ المصیر تک) پڑھ لے، وہ اس دن ہر برائی اور تکلیف سے محفوظ رہے گا (معارف القرآن)

مصائب سے بچنے کا مجرب نسخہ

رسول اللہ ﷺ نے عوف بن مالکؓ کو مصیبت سے نجات اور حصول مقاصد کے لئے یہ تلقین فرمائی کہ کثرت کے ساتھ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھا کریں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ دینی اور دنیوی اور ہر قسم کے مصائب اور مضرتوں سے بچنے اور منافع و مقاصد حاصل کرنے کے لئے اس کلمے کی کثرت بہت مجرب عمل ہے۔

تکالیف سے فوری نجات

حضرت اسما بنت عمیسؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپؐ فرماتے تھے:

جس شخص کو کوئی رنج و غم یا مصیبت اور تنگی پیش آئے اور وہ یہ کلمات پڑھے تو حق تعالیٰ اس کی تکلیف رفع فرما دیتے ہیں۔

اَللّٰهُ اَللّٰهُ رَبِّيْ لَا اُشْرِكُ بِهٖ اَحَدًا

آفات و مشکلات سے حفاظت کا نسخہ

بعض علما نے فرمایا ہے کہ جو شخص گناہوں میں یا دنیوی آفتوں میں مبتلا ہو اور کوئی تدبیر و علاج کارگر نہ ہو، اس کو چاہیے کہ وہ درود شریف کا ورد کثرت سے کرے کیونکہ حدیث کے مطابق ایک درود پڑھنے پر اللہ تعالیٰ کی دس رحمتیں نازل ہو ں گی۔ تو جو شخص کثرت سے درود شریف پڑھے گا اس پر اسی کثرت سے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں متوجہ ہوں گی۔ ناممکن ہے کہ اتنی رحمتوں کے سائے میں اس کی مشکلات دور نہ ہوں۔

تمام بلاؤں سے حفاظت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو شخص صبح و شام قل ھو اللہ احد اور معوذتین (سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) پڑھ لیا کرے تو یہ اس کے لئے کافی ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ

''یہ اس کو ہر بلا سے بچانے کے لئے کافی ہے۔''

سحر اور نظر بد سے حفاظت:

معوذتین (سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) میں منافع اور برکات ہیں۔ سب لوگوں کو ان کی حاجت وضرورت ایسی ہے کہ کوئی انسان اس سے مستثنیٰ نہیں ہوسکتا۔ ان دونوں سورتوں میں سحر اور نظر بد اور تمام آفات جسمانی و روحانی دور کرنے کی تاثیر عظیم ہے۔ (معارف القرآن)

<u>دُعا</u>

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص ہر روز صبح اور شام یہ کلمات طیبات سو مرتبہ پڑھے گا وہ فقر و فاقہ سے محفوظ رہے گا، غنا کا دروازہ اس پر کھل جائے گا، اسے قبر میں کسی طرح کی وحشت نہ ہوگی اور اس کے لئے جنت کے دروازے کھل جائیں گے۔''

لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْمَلِکُ الْحَقُّ الْمُبِیْن

(شرح الصدور از جلال الدین سیوطیؒ ص ۱۴۹)

ڈاکٹر بشریٰ تسنیم

افکارِ اقبال کا احیا

پاکستان کی حفاظت، ترقی اور بقا کا ضامن

علامہ محمد اقبالؒ کو برصغیر پاک و ہند کے فکری رہنما اور علمی پیشوا کی حیثیت سے اور بطور شاعر تو سبھی تسلیم کرتے ہیں، در حقیقت علامہ اقبال کی تعلیمات پوری امت مسلمہ کے لئے راہنما ہیں۔ اس بات سے بھی واقف ہیں کہ جب برصغیر کے مسلمانوں نے انگریز اور ہندو سے آزادی حاصل کی اور پاکستان کو اسلام کی تجربہ گاہ بنانے کے لئے اپنی جدوجہد کا آغاز کیا تو اس کے اثرات پورے عرب وعجم پر پڑے اور کئی مسلم ریاستوں کے حق خودارادیت کی جدوجہد کو مہمیز ملی۔

علامہ اقبالؒ کے خواب کی مجسم تعبیر ''پاکستان'' ہے۔ مگر اس خطہ ارضی پر اقبالؒ کے تصورات ونظریات کے بالکل برعکس ایک ایسا سیاسی نظام مسلط کرنے کی کوشش کی جارہی ہے جو کہ نہ تو جمہوری ہے نہ پارلیمانی، نہ اسلامی وفلاحی، یہ صرف پاکستان کا المیہ نہیں بلکہ اس وقت پوری امت مسلمہ، شیعہ، سنی، عربی وعجمی، نسلی ولسانی تعصّبات کا شکار ہے۔ جمہوریت کے بارے میں ذہنی انتشار کا یہ عالم ہے کہ کسی بھی مسلم ملک کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہاں واقعی سلطانی جمہور اور فرد کی آزادی کا تصور موجود ہے، مسلم ممالک آپس میں لڑ رہے ہیں اور ان کے قیمتی وسائل باہمی نفاق کی وجہ سے دشمن کے زیر تصرف آرہے ہیں یا عیش وعشرت، فضول خرچی کی نذر ہورہے ہیں۔ علامہ کا تصور یہ تھا کہ عالم عرب اپنا اتحاد قائم کرے اور عجم کے ممالک ان کے تجربات سے فائدہ اٹھائیں، باہم مل جل کر سب ایسے نظام کا تجربہ کریں جو اسلام کے ابدی پیغام اور عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو۔ روحانی جمہوریت کا جو تصور علامہ اقبالؒ نے پیش کیا وہ پاکستان (اس خطہ ارضی میں جو اسی مقصد کے لئے حاصل کیا گیا تھا) میں بھی پروان نہیں چڑھنے دیا گیا۔ بلکہ اس پہ پنجۂ استعمار کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر اسی لئے ہونے دی گئی کہ یہی تو ''اتحاد امت مسلمہ'' کی بنیاد بن سکنے کی صلاحیت رکھتا تھا، (جغرافیائی اور نظریاتی مسلمہ حقائق کی روشنی میں)

مسلمانوں کا المیہ یہ ہے کہ وہ اسلام کا نام بھی لیتے ہیں اور لادینی نظام کو پروان بھی چڑھاتے ہیں۔ پاکستان کی بقاء سارے اسلامی ملکوں کی بقا ہے۔ ''اسلام کا قلعہ'' کہلوانے کا اعزاز اسی وقت برحق ہوگا جب تعلیمات اقبال پر خوشدلانہ، حسن نیت کے ساتھ عملدرآمد ہوگا۔ علامہ اقبالؒ کی ساری تعلیمات قرآن وسنت کی تشریح ہیں۔ سارے افکار قرآنی تعلیمات پر مبنی ہیں۔ ان کی فکر امت کے اتحاد اور مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ سے عبارت ہے۔

ایران کے خامنہ ای کا تو یہ دعویٰ ہے کہ امام خمینیؒ کا اسلامی انقلاب، اقبالؒ کی روح پرور اور جوش وجذبے سے معمور فکر کا نتیجہ ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ ہم نے کلام اقبال کو قومی سطح پر نظر

انداز کر کے، اور عوامی سطح پر محض قوالوں، گانے والوں کے حوالے کر کے اس کو سطحی نظر سے دیکھنے کا عادی بنا دیا ہے۔

قرآن حکیم نے ایک مثالی مومن کا جو نقشہ پیش کیا ہے وہی مرد مومن اقبال کو مطلوب ہے۔ مثالی مومن اپنی خوبیوں میں ارتقاء کرتا رہتا ہے حتی کہ وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ عوام اس کو اپنا لیڈر اور حکمران چن لیتے ہیں۔ اقبال کا مثالی حکمران وہی سیرت رکھتا ہے جو کہ سیرت رسول ﷺ سے اخذ کی جاتی ہے۔ علامہ اقبال نے پہلی خوبی جو ایک مثالی حکمران کی اپنے کلام میں پیش کی وہ ہے پابند الٰہی

تقدیر کے پابند جمادات و نباتات
مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند

علامہ اقبال کی طویل نظم ''طلوع اسلام'' میں بہت خوبصورتی سے مرد مومن کا نقشہ بیان کیا گیا ہے۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہِ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

<u>قرآن و سنت کی بالادستی</u>

علامہ اقبالؒ کی نظر میں کسی دنیاوی فاتح کو آئیڈل بنانے کا رجحان موجود نہیں ہے۔ قرآن ہی اول و آخر اس کا مشیر و راہنما ہے، اسی کا ہاتھ پکڑ کر وہ اپنے مسائل کی پرخار وادیوں سے سلامتی کے ساتھ گزر جاتا ہے۔

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار

ساتھ ہی سیرت محمدیؐ کی تقلید، عشقِ محمدؐ کی تاثیر کا اظہار کرتے ہیں۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اُجالا کر دے

اقبالؒ کا مرد مومن، مثالی حکمران ایک متحرک سوچ اور دوررس نگاہ رکھنے والا ہوتا ہے۔ جدید تقاضوں کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنا ہو یا وقت اور حالات کے تقاضوں کو پورا کرنا ہو تو وہ وسیع النظر ہوتا ہے۔ اپنے مقصد پہ مکمل توجہ کے ساتھ ساتھ وہ وقت کے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ رہتا ہے۔

آئینِ نو سے ڈرنا طرزِ کہن پہ اَڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

ساتھ ہی یہ بات بھی واضح کر دی کہ عقل و شعور کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

لیکن مجھے یہ ڈر ہے کہ آوازۂ تجدید
مشرق میں ہے تقلیدِ فرنگی کا بہانہ

اسی بات کو امت مسلمہ نے نہ سمجھا اور ''تقلیدِ فرنگی'' کے سارے بہانے انفرادی و اجتماعی طور پر ''کردار کی کمزوری بنتے چلے گئے اور اس میں ہر آنے والا وقت اضافہ کرتا جا رہا ہے۔ ''اللہ کی رسی'' سے گرفت کمزور سے کمزور تر ہوتی چلی گئی۔ حالانکہ اقبالؒ کی بصیرت تو اس کی منتظر تھی کہ

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پُر سوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

اور میر کارواں کے لئے مزید ان کی دلی خواہش کی ایک تصویر ہے۔

اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل

اس کی ادا دلفریب، اس کی نگہ دل نواز
نرم دمِ گفتگو ، گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاک باز

آج ہمیں پاک دل و پاک باز مرد مومن کی تلاش ہے۔ جس کے بارے میں اقبال کہتے ہیں۔

یقین محکم ،عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

آج کے حکمرانوں کو آئینہ دکھاتے ہوئے یہ نصیحت

یہ مال و دولتِ دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گماں لا الہ الا اللہ

قومی غیرت کو خاک میں ملانے والے حکمرانوں سے علامہ اقبالؒ مخاطب ہیں

اٹھا نہ شیشہ گرانِ فرنگ کے احسان
سفالِ ہند سے مینا و جام پیدا کر

مزید غیرت دلا رہے ہیں۔

مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

کشکول لے کر پھرنے والو! اقبال کے خوابوں کی تعبیر کو زندہ رکھو،

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے

اے حاکم وقت اپنی قوم کے جوانوں کو اقبال کا سبق یاد کراؤ۔ محض اس کے کلام کو قوالوں کے حوالے کر کے اپنے فرض کی ادائیگی مکمل نہ سمجھو۔ جوانوں کے بارے میں علامہ اقبال کی دعا ہے اور حکمران وقت کو احساس دلا رہے ہیں جوانوں کے تعمیر افکار کا۔

اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت
دے ان کو سبق خود شکنی خود نگری کا
دل توڑ گئی ان کا دو صدیوں کی غلامی
دارو کوئی سوچ ان کی پریشاں نظری کا

عوام اور حکمرانوں کے درمیان فاصلہ انتشار کا باعث بنتا ہے۔ دکھوں اور مسائل کا ادراک نہ ہونے کی وجہ سے نفرت اور دوری پیدا ہوتی ہے اور حکمرانوں کے مظالم، بے حسی، بد نیتی، سزا صرف آخرت پہ موقوف نہیں ہوتی، مکافات کا عمل دنیا میں ہی شروع ہو جاتا ہے۔ عوام کے حقوق غصب کرنے والے اور بنیادی ضروریات زندگی سے غفلت کرنے پر سزا کا احساس دلا رہے ہیں۔

مگر گزرے حکمرانوں کو اور موجودہ حکمرانوں کو اس بات کا شعور ہی نہیں ہے کہ وہ زندگی نہیں گزار رہے، سزا کاٹ رہے ہیں۔ اس لئے کہ ان کو وہ بصیرت وہ نگاہ ہی نصیب نہیں اور یوں وہ اپنے گناہوں میں اضافہ کرتے چلے جاتے ہیں اور یہ جان لینا بھی عقلمندوں کا کام ہے کہ وہ کون سے گناہ کی کیا سزا کاٹ رہے ہیں؟

جہاں بانی سے ہے دشوار تر کارِ جہاں بینی
جگر خوں ہو تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

علامہ اقبال نے جو افکار اپنے کلام میں پیش کئے ان میں عشق، شراب، میناد جام وغیرہ کو جن معنوں میں استعمال کیا، سطحی نظر، سطحی سوچ اور پست ذہنیت والوں کو اس میں کچھ اور ہی مستی نظر آتی ہے۔ ان بدمست لوگوں کو علامہ اقبال کا پیغام

ہے۔

؎ حذر اے چیرہ دستاں، سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

سارا کلام اقبال اک نئے ولولے اور درست تفہیم کے ساتھ پھیلانے کی ضرورت ہے جوانوں کو اقبال کا یہ پیغام پہنچانے کی ذمہ داری ہر مؤثر ذریعہ ابلاغ پر ہے

تو رازِ کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
خودی کا راز داں ہو جا، خدا کا ترجماں ہو جا
خودی میں ڈوب جا غافل! یہ سرِ زندگانی ہے
نکل کر حلقۂ شام و سحر سے جاوداں ہو جا

علامہ اقبالؒ کے کلام یا پیغام کو کسی مضمون میں قلمبند کرنا ممکن نہیں۔ یہ تو سمندر ہے جس میں اترنے پر بھی اس کی گہرائی کا سِرا نہیں ملتا۔ ایک آفاقی و الہامی شاعر نے اپنا کام بخوبی انجام دیا امت مسلمہ کو بھولا ہوا سبق یاد دلانے کے لئے۔ اب یہ سوچنا ہمارا کام ہے کہ اس ذمہ داری کو ادا کرنے میں خود کتنا حصہ ڈالا۔

یہی آئینِ قدرت ہے یہی اسلوبِ فطرت ہے
جو ہے راہِ عمل میں گامزن، محبوبِ فطرت ہے

☆☆☆

عالمِ اسلام کے دل کی دھڑکنیں

سفرِ حج ،ایک مسلمان کی زندگی کا دلکش ترین تجربہ ہے۔ وہاں پیش آنے والی داخلی واردات ،گردوپیش کے احوال اور خود اس مقام کی ہیبت ،جلال اور جمال مل کر وہ سماں باندھتے ہیں کہ وہاں سے لوٹ آنے والا یوں محسوس کرتا ہے گویا اپنا دلِ بے قرار وہیں کہیں چھوڑ آیا ہے۔ اپنے گھر اور بستی میں پہنچتا ہے تو اُس قصہ شوق کو سناتے نہیں تھکتا دراز تر گفتم حکایت ترا لذیذ بود.....اور سننے والے سامنے یوں ہمہ تن گوش بیٹھتے ہیں جیسے طائرِ خیال انہیں بھی لے اڑا ہے ،کعبہ کے گرد پروانہ وار طواف کے لئے ،حرم کے برآمدوں اور صحن اور سیڑھیوں پر بیٹھے اس کی دید سے آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان کرنے کے لئے ۔دنیا کی حسین ترین وادیوں اور آبشاروں کی سیر سے بھی واپس آ کر ،کون ایسے سنتا اور سناتا ہے؟ یہ دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمائی تھی جب انہوں نے انتہائی اخلاص سے اس گھر کی بنیادیں اٹھائیں اور یہ سادہ ترین عمارت تعمیر کی تھی۔ فاجعل افئدہ من الناس تھوی الیھم ''اے میرے رب، بندوں میں سے کچھ کے دل میں اس گھر کا شوق محبت اور والہیت پیدا فرمادے۔'' حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے شاگرد، مشہور تابعی اور مفسر ، مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ دعا تمام انسانوں کے لئے ہوتی تو اس شہر میں ساری مخلوق ٹوٹ پڑتی اور یہاں چلنا پھرنا ناممکن ہو جاتا۔

☆.....☆.....☆

زائرین حرمین میں سے لکھنے کا ذوق رکھنے والے سفر نامے بھی بہت لکھتے ہیں اور مختصر روادادیں بھی۔ان سفر ناموں میں حج کے مناسک اور مراحل کی ساری تفصیلات مل جاتی ہیں ۔فہم دین اور ذوق وشوق میں کوئی دو لوگ بھی ایک جیسے نہیں ہوتے ، یہی معاملہ سفرحج کی ان داستانوں کا بھی ہوتا ہے۔حج کے منافع ویسے بھی کثیر ہیں(فیہ منافع للناس)مولانا ابو الحسن علی ندوی نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ حرمین شریفین وہ مقامات ہیں، جہاں عالمِ اسلام کے دل کی دھڑکنیں سنی جاسکتی ہی ۔ یہ مختصر مضمون نہ حج کا کوئی سفرنامہ ہے، نہ احوالِ ذاتی کا بیان .....یہ صرف ان ''دھڑکنوں'' کا تذکرہ ہے جو میں نے وہاں سنیں اور محسوس کیں اور عالمِ اسلام کے ہر گوشے سے آنے والوں میں سے چند کے ساتھ ہونے والی کچھ ملاقاتوں کے احوال۔

☆.....☆.....☆

فریضۂ حج کی ادائیگی کے ارادے کے ساتھ جو چند ''فکریں'' دامن گیر ہوئی تھیں ان میں سے ایک عربی کی شدبد پیدا کرنے کی بھی تھی۔ یونیورسٹی میں ایم فل کے طلبہ وطالبات کی ایک سمسٹر کی کلاس میں چند مرتبہ شرکت کی اجازت لی ،

اور اتنا فائدہ ہوگیا کہ کچھ ٹوٹے پھوٹے جملے بولنے کے قابل ہوگئی۔ ''زبان دانی'' کی یہ مہارت، رابطوں میں بڑی کام آئی کہ وہاں انگریزی عملاً بے کار تھی۔ عالمِ اسلام کی زبان آج بھی عربی ہی ہے، یہ اندازہ وہیں جا کر ہوتا ہے۔

درمیانی عمر کی مراکشی خاتون سے میری سلام دعا، ''بین الاقوامی'' رابطوں کی پہلی کڑی تھی۔ جمعے کے دن، نماز سے بہت پہلے پہنچنا ہوتا تھا ورنہ جگہ ملنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ دائیں بائیں کی خواتین سے سلام کے بعد، میں درمیان کی مختصر سی جگہ میں بمشکل ٹک گئی تھی۔ ''آپ کہاں سے ہیں۔'' یہ سوال وہاں عام ہے..... بولیں، مراکش سے۔ میں نے پاکستان بتایا تو مسکرائیں ''میرے شوہر افغانستان، ہندستان اور پاکستان میں چند سال گزار کر گئے ہیں۔'' میں سمجھ گئی، کہاں گزارے ہوں گے۔ یہ بھی شکر کیا کہ واپس پہنچ گئے ہیں ورنہ عرب وعجم سے آئے ہوئے امت کے حساس ترین، اور غیرت وحمیت سے سرشار، کیسے کیسے لوگ ہم نے کوڑیوں کے بھاؤ ''بیچے'' ہیں۔ آپس میں بمشکل دو چار جملوں کا تبادلہ ہوا ہوگا کہ ''شرطیوں'' میں سے ایک خاتون، ہمارے عین پیچھے آ کر بیٹھ گئی۔ مجھے تو خیال ہوا کہ چلتی پھرتی تھک گئی ہوگی، اس لئے جہاں جگہ نظر آئی وہیں بیٹھ گئی ہے، لیکن یہ ''آمریت گزیدہ'' عرب عوام بڑے سمجھدار ہیں۔ خاتون فوراً خاموش ہو کر، ذکر و دعا میں مشغول ہوگئیں۔ میں نے گھر پہنچ کر روداد سنائی تو یہ مسکرائے، کہ یہاں تو دو چار لوگوں کا بات کر لینا، بڑی تشویش کا معاملہ ہو جاتا ہے۔ مسجد کے خدام اور خادمات کے ذمے کچھ اور کام بھی ہیں، اس لئے احتیاط ملحوظ رکھا کرو۔

☆.....☆.....☆

پیرس سے آنے والی سمیرا سے ملاقات اگرچہ اتفاقیہ تھی، لیکن بعد میں یہ ''اتفاق'' نہ رہا۔ مسجد کی چھت پر، عصر کے بعد ہم فون پر ایک دوسرے کو چیک کر لیتے اور مل لیتے تھے۔ فرانس میں ''فیملی پلاننگ'' نے وہ گل کھلائے ہیں کہ ایک تہائی آبادی غیر فرانسیسیوں پر مشتمل ہے۔ اس آبادی میں مسلمان بھی کثرت سے ہیں۔ سمیرا کے والدین بھی الجزائر سے فرانس منتقل ہوئے تھے۔ اپنی دو بچیاں ماں کے پاس چھوڑ کر، موریطانیا سے فرانس میں آ کر بس جانے والے شوہر کے ساتھ حج پر آئی تھی۔ حافظۂ قرآن، ہاتھوں پر دستانے، جرابیں، چہرے پر اوپر سے ڈالنے والا نقاب، پچیس چھبیس سالہ دلچسپ لڑکی تھی۔ اس کے ساتھ پہلی ملاقات ہی بہت دلچسپ رہی۔ مغرب کے وقت وہ میرے پاس آ کر بیٹھی۔ نماز کے کچھ دیر بعد اس نے میرے گھٹنے پر سر رکھ کر تھوڑا سا لیٹنے کا کہا..... دیکھا تو اسے بخار تھا۔ کچھ ہی دیر میں بخار تیز ہوگیا اور چہرہ سرخ۔ اس نے مجھ سے فون ملانے کو کہا کہ وہ اپنے شوہر کو بھی چھت پر بلا لے جو حرم میں نیچے تھا۔

فون کے بعد اس نے بتایا کہ رہائش دور ہے اور طبیعت کی خرابی کی وجہ سے صبح سے وہ اپنے کمرے میں ہی تھی۔ کچھ سنبھلی تو خود ہی مسجد آ گئی۔ صبح سے اس نے کچھ کھایا پیا بھی نہیں تھا۔ مجھے پریشانی ہوئی کہ وہ تنہا رہی اور شوہر سارا دن حرم میں تھا۔ میں نے ذرا چھیڑا تو مسکرائی اور بولی ''ھوطیب'' میں سمجھی، شوہر کی تعریف کر رہی ہے کہ وہ بڑا اچھا ہے (عربی میں بہت اچھا کہنے کے لئے بھی ''طیب'' بولتے ہیں) مجھے سچی بات ہے

غصہ آیا۔''لو بھلا، کہاں کا اچھا ہے! کیسا طیب ہے کہ تم سارا دن، بھوکی پیاسی، بخار میں پڑی رہی اور اس نے دوا دارو بھی نہ کیا۔اس سے کم از کم میرا شوہر ہی بہتر ہوتا کہ اس حال میں چھوڑ کر نہ جاتا.....

''ھوأطیب وہ زیادہ اچھا ہے''سمیرا بے اختیار ہنس کر بولی اور بتایا کہ اس کا نام ہی''طیب'' ہے۔البتہ میرے شوہر کا نام اس نے''أطیب'' رکھ دیا بعد میں جب ملی تو یہی پوچھا ''أطیب'' کیسے ہیں، اور میں اپنی''عربی دانی'' پر خاصی کھسیانی ہو جاتی تھی۔

فرانس، پاکستان کے حالات، بچے، والدین اور گھر بار، کئی دن کی ملاقاتوں میں کتنے ہی حال احوال ہوئے ۔ پاکستان کے دگرگوں حالات کا ذکر ہوا تو سمیرا نے پوچھا کہ امریکی حملے کیا اسی لئے ہیں کہ اسامہ وہاں ہیں، میری عربی اتنی ''وسیع''نہیں تھی کہ میں اسے بھیڑیے اور میمنے کی کہانی سناتی آج کے دور میں استعماریت (Imperialism) اور استحصال کے نمائندوں کو چیلنج کرنے کا جن سرپھروں نے حوصلہ کیا، امت کو یاد دلایا کہ ظلم کے مقابل کھڑا ہوا جا سکتا ہے اور ہجرت و جہاد کی سنت زندہ کی جا سکتی ہے، وہ دنیا بھر میں''نکو'' بنا دیئے گئے ہیں۔شاہ اسماعیل شہیدؒ نے (برصغیر کی تحریک جہاد کے قائد، جن کے جہاد کے طفیل ہندوستان دارلکفر نہیں بن سکا، اور ہم''آزاد اسلامی مملکت'' کے باشندے ہیں)ایک جگہ لکھا تھا کہ ہمارے علماء کے ہاں جہاد کی تعلیم اتنی اہمیت بھی نہیں رکھتی جتنی کتاب الحیض والنفاس کی تعلیم .....میں یہ سب کچھ تو سمیرا سے نہیں کہہ سکی.....مگر اتنا ضرور کہا کہ اس پر جرم کون سا ثابت ہے، کس عدالت نے اس کے خلاف فیصلہ دیا ہے.....ایسے میں ان گنت لوگ اس کی میزبانی کو کیوں تیار نہ ہوں گے؟ یہ جملہ کلک (click) کر گیا تھا شاید.....کہ اگلے دن ہوٹل میں سمیرا کے فون پر فون آنے لگے کہ طیب''أطیب'' سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ادھر یہ الجھن محسوس کر رہے تھے ''بھئی تمہاری دوستیاں ہیں، تم خود ہی نبھاؤ۔'' خیر بمشکل تمام بات کرنے پر آمادہ ہوئے۔طیب ان سے رات کا کھانا ساتھ کھانے کے لئے اصرار کر رہا تھا اور ان کا زور دامن چھڑانے پر تھا۔وقت بھی وہاں کتنا ہوتا ہے۔بالآخر، حرم میں ہی ملاقات پر اتفاق ہوا اور عشاء کی نماز کے بعد، چھت پر ان کی مفصل ملاقات ہوئی۔میں اور سمیرا الگ بیٹھے تھے اور وہ بار بار خوش ہو کر کہتی تھی دیکھو، دونوں بھائی کیسے ملے ہیں۔موضوع ظاہر ہے امت کے احوال ہو سکتے تھے۔موریطانیا طیب کا ملک تھا، اور مسلم افریقہ، آتش فشاں بنا ہوا ہے۔فرانس کے حالات بھی دگرگوں اور پاکستان کے احوال سب کو معلوم ہیں۔

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

☆.....☆.....☆

حرم کی پہلی منزل پر ایک دن ایک پاکستانی لڑکی مجھ سے کچھ بات چیت کرنے لگی تو اگلی صف میں بیٹھی دو سادہ سی خواتین نے دلچسپی سے ہمیں سنا۔پھر پوچھا، آپ کون سی زبان بولتی ہیں۔میں نے پاکستان کا بتایا اور اردو زبان..... پتہ چلا یہ یمن سے ہیں۔کیسے ہیں یمن کے حالات؟ بھری بیٹھی تھیں، ایک دم جذباتی ہو گئیں۔ان کی زبان فصحاء نہیں، عامیہ تھی۔مجھے بہت کم سمجھ آ سکی لیکن ہاتھوں کے اشارے سے کچھ

سمجھاتی تھیں.....شاید اس شورش کا، جو یمن میں جاری ہے اور غالباً ان سے بہت قریب وہ علاقہ تھا ۔ درمیان درمیان میں امریکہ کو صلواتیں..... یا خدا! یہی شیطان ہر جگہ مسلط ہے !

☆.....☆.....☆

حج کا سفر، مشقت کا سفر ہے۔ عورتیں عام طور پر پیدل چلنے کی عادی نہیں ہوتیں اور رہائش گاہیں اکثر دور۔ شروع کے دنوں میں ٹانگیں اکڑ جاتی ہیں۔ کسی کو بے چین دیکھ کر پتا چل جاتا تھا کہ نئی ''حاجن'' ہیں۔ ایسی ہی ایک چینی حاجن، جو معمر بھی تھیں، میرے ساتھ بیٹھی تھیں۔ میں ان کے پاؤں اور پنڈلیاں دبانے لگی۔ بڑی بی کو ذرا آرام ملا تو بس ہی نہیں کر رہی تھیں کبھی ایک پاؤں آگے کرتیں، کبھی دوسرا۔ چینی خواتین کا مسئلہ یہ بھی تھا کہ زبان بھی کوئی نہیں جانتی تھیں۔ وہاں نزلہ زکام بھی بہت ہوتا ہے۔ مسجد کا گراؤنڈ فلور اور پہلی منزل خوب ٹھنڈی ہوتی ہے اور باہر نکلو تو موسم کافی گرم (حتیٰ کہ نومبر میں بھی) ایک دن جب میرے ساتھ بیٹھی خاتون مسلسل کھانس رہی تھیں، دوسری طرف سے ایک خاتون نے بیگ سے بام (Balm) نکال کر دیا۔ پوچھنے پر پتہ چلا برما (نیا نام میانمار ہے) سے آئی ہیں۔ ٹوٹی پھوٹی اردو بول رہی تھیں۔ برما میں ایک عرصے سے مسلمانوں کے لئے حالات اچھے نہیں۔ قتل و غارت گری ہے۔ دنیا کے انتہائی پرامن مانے جانے والے مذہب، ''بدھ مت'' کے پیروکاروں نے مسلمانوں کا جینا حرام کر رکھا ہے۔ بتانے لگیں کہ مسجد میں نماز نہیں پڑھنے دیتے، اذان دینا ناممکن ہے، قرآن کی تعلیم ناممکن قتل و غارت گری کا نام ''مسلم بدھ فسادات'' ہے۔ ہجرت کرنا چاہیں تو بنگلہ دیش اپنی سرحد بند کر لیتا ہے۔ اور یہ غیر قانونی مہاجر کہلاتے ہیں۔ روتی بھی رہیں، سناتی بھی رہیں۔ مجھ سے بھی بات کرتی تھیں اور اللہ تعالیٰ سے بے قراری کے ساتھ دعائیں بھی۔ دل بوجھل ہو گیا۔

؎: امت والے! امت کا ہے کتنا سستا خون

☆.....☆.....☆

حج کے دن جیسے جیسے قریب آ رہے تھے، مسجد الحرام میں رش بڑھتا جا رہا تھا۔ ہم تھوڑے دن پہلے سے گئے ہوئے تھے تو کچھ کچھ اندازہ ہو گیا تھا لہٰذا جلدی گھر سے نکل جاتے تھے۔ عصر سے پہلے ہی مسجد کی چھت پر چلے جاتے تو کافی جگہ ہوتی تھی۔ رات گئے تک وہیں رہتے۔ موسم بھی بہت اچھا ہوتا تھا۔ ایک دن پہنچے تو خواتین کے حصے میں پہلی صف میں بھی کافی جگہ تھی۔ میں نے وہیں جائے نماز بچھا لی۔ لفٹ اور بجلی کی سیڑھیوں کے ذریعے لوگ مسلسل اوپر آ رہے تھے کہ نیچے جگہ ختم ہو چکی تھی۔ باریک ٹیپ جیسا فیتہ لگا کر عورتوں کا حصہ الگ کیا ہوتا تھا۔ سامنے چند فٹ چوڑا راستہ تھا اور آگے مردوں کی صفیں..... اور اس راستے میں مردوں عورتوں کا ہجوم .....میرے عین سامنے ایک خاتون برقعہ پہنے، اس فیتے سے باہر، مردوں کے ہجوم میں کھڑی تھی۔ بازو سے پکڑ کر میں نے اسے سامنے کھڑا کر لیا۔ میرے ساتھ بیٹھی انڈونیشی خواتین کسی کو گھسنے نہیں دے رہی تھیں، اور ڈر تھا کہ میری اس ''حرکت'' کا برا مان لیں گی، لیکن اتنے میں اقامت شروع ہو گئی۔ خاتون کے شوہر نے ممنونیت سے ہاتھ ہلایا اور چند قدم آگے سرک گیا

۔نماز شروع ہوگئی تھی۔ بڑی مشکل سے کافی تنگ جگہ میں فرض ادا کیے، سنتیں پڑھنے کا موقع پہلے اسے دیا، بعد میں خود پڑھیں ،اورنفلوں کا ارادہ موقوف کر دیا۔ یہ موقع تو عشاء کے بعد بھی ہوسکتا تھا۔

نماز کے کچھ دیر بعد ذرا راستہ صاف ہوا تو خاتون کا شوہر دو ڈسپوزیبل گلاسوں میں زم زم دے گیا ۔ کافی خوش شکل خاتون تھی۔ میں نے پوچھا کہاں سے، بولیں عراق سے۔

''عراق میں کہاں سے؟''

وہ میرے سے ذرا آگے بیٹھی تھی ، حیرانی سے اس نے قدرے مڑ کر مجھے غور سے دیکھا۔''فلوجہ سے لیکن تمہیں عراق کا کیا پتہ ہے؟''

عراق کا اب کسے نہیں پتہ ۔اور تم تو فلوجہ سے ہو۔اس فلوجہ سے جس کا حال ''باغ تو سارا جانے ہے۔''

(فلوجہ،عراق میں سنی اکثریت کا شہر تھا اور امریکیوں کے خلاف مزاحمت کا مضبوط ترین مرکز، شہر کا محاصرہ کر کے، کہ عورتیں اور بچے بھی باہر نہ نکل سکیں ،امریکی فوج نے دو سے تین لاکھ باشندے دو دن کی کارپٹ بمباری میں شہید کئے تھے)

''فلوجہ پر کیا گزری؟''میں نے پوچھا۔

مسجد الحرام کی چھت پر لگے اونچے کھمبے کا طاقتور بلب ہم سے بہت قریب تھا۔ میں نے دیکھا کہ ضبط کی شدت سے اس کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ وہ کچھ دیر خاموش رہی، اس کے ہونٹوں پر لرزش تھی۔

''آسمان سارا طیاروں سے یوں اٹا پڑا تھا جیسے پرندوں کے جھنڈ ہو ۔ انہوں نے سینکڑوں بم برسائے ۔ ان میں فاسفورس کے بم بھی تھے۔ فاسفورس گوشت، پٹھے، سب کچھ گھلا دیتا ہے، ہڈی ننگی ہو جاتی ہے، ۔آج بھی ہمارے ہاں معذور بچے پیدا ہوتے ہیں۔فلوجہ میں کچھ نہیں بچا، کچھ بھی نہیں۔''

اس کا ایک بیٹا تھا اور چھ بیٹیاں ، میں اسے دیکھتی رہی۔ منظر دھندلاتا رہا، لیکن چھ بیٹیوں کی ماں کے تفکرات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا جو جنگ زدہ علاقے میں بیٹھی تھی۔

کافی دیر بعد میں نے پوچھا۔''اب کیا حالات ہیں؟'' بتانے لگی کہ اب شیعہ امریکی اتحاد کی حکومت ہے۔ بغداد میں کوئی سنی داخل نہیں ہوسکتا۔ پتہ تھا، پھر بھی میں پوچھ بیٹھی کہ یہ تمہارے دائیں بائیں ترکی، سعودی عرب، اردن، کویت، قطر ،سارے مسلمان ممالک ہیں، صدام سے تو چلو شکایات تھیں، لیکن مسلمان بھائیوں کی ، امت کی تو سوچیں۔ ہونٹوں پر انگلی رکھ کر، آہستہ سے بولی ۔''ہیں تو سب مسلمان، بولے گا کوئی نہیں۔''

پھر اُس نے پاکستان کے احوال بھی پوچھے۔ کچھ کچھ خبر اسے تھی، تھوڑا بہت میں بتا سکی۔تھوڑی دیر بعد اس کا شوہر آ گیا ۔ بیٹھے بیٹھے وہ مجھ سے گلے ملی اور کہنے لگی ،''پاکستان جا کر وہاں کے لوگوں کو فلوجہ کی ایک بہن کا سلام کہنا۔''میں بالکل چپ ہوگئی ۔ کچھ کہنے کا یارا ہی نہیں تھا۔ سلام تو سلامتی کا پیغام ہے اور ہمارے ہاں سے کس ملک کے مسلمانوں کو''ٹھنڈی ہوا '' پہنچی ہے! میں نے عراق کی بہنوں کو سلام نہیں بھیجا۔ اسے بھی تو پتہ تھا،''سب مسلمان ہیں، بولے گا کوئی بھی نہیں''

☆.....☆.....☆

حج کے دن گزر جائیں تو ''حاجی'' تھوڑے ریلیکس ہو جاتے ہیں ۔فریضے کی ادائیگی سے پہلے ہونے والی فکرمندی اور پریشانی نہیں رہ جاتی ۔آہستہ آہستہ رش بھی کم ہونے لگتا ہے ۔منصوری صاحب کے ایک عزیز دوست، جنہوں نے روزانہ کی میزبانی اپنے ذمے لے رکھی تھی، عصر کے بعد مسجد میں قہوہ، کیک اور کھجوریں لائے تھے ۔ کچھ مردوں کی طرف رکھ کر یہ باقی مجھے دے گئے ۔ پلاسٹک کے کئی گلاس بھی لائے ۔ میں نے تھرماس سے تھوڑا تھوڑا قہوہ ڈال کر ارد گرد کی خواتین کو دعوت دی ۔کافی کی کچی پھلیوں کا یہ قہوہ خاصا تیز اور میٹھے کے بغیر ہوتا ہے ، سب کو پسند نہیں آتا ، کچھ نے لیا اور کچھ نے نہیں ۔ سوڈان سے آئی لیلیٰ میرے ساتھ بیٹھی تھیں، انہیں بھی پیش کیا مجھ سے چند سال بڑی ہوں گی ، کہنے لگیں، تم تو عربی جانتی ہو۔ میں نے کہاں ہاں ،تھوڑی تھوڑی..... اور سمجھ تب سکتی ہوں جب آپ لوگ آرام سے بولیں ۔لیلیٰ ہنس پڑیں ، اچھا ، میں ایسے ہی بولوں گی ۔ باتوں باتوں میں ، میں نے بتایا کہ میری ایک سہیلی کی امی (مدیرہ بتول خالہ جان ثریا اسماء) کچھ عرصہ سوڈان میں رہی تھیں اور انہوں نے وہاں کا ایک سفر نامہ بھی لکھا تھا۔

لیلیٰ کی دلچسپی ، ایک دم بڑھ گئی ۔''اچھا ! انہوں نے سوڈان کے بارے میں کیا لکھا تھا۔'' میں نے بتایا کہ سوڈان کی بھی بڑی تعریف لکھی اور سوڈانیوں کی بھی، موسم اچھا ہے ، خوبصورت مقامات بھی ہیں ۔عوام بڑے نیک ہیں ،محنتی اور قابل ہیں ۔لڑکیاں بہت تعلیم حاصل کرتی ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

لیلیٰ کی مسکراہٹ پھیلتی گئی ۔''اور.....''

''ہاں ۔اور بھی .....انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ سوڈانی بہت سادہ ہیں پتہ نہیں کیسے ہر روز ''فول'' کھاتے ہیں'' میں نے بھی سادگی سے بتا دیا لیلیٰ بے اختیار ہنس پڑی دیر تک ہنستی رہی ۔وہ خود بیس بائیس سال سے سعودی عرب میں تھی اور شوہر کی اچھی نوکری تھی ۔ بتانے لگی کہ فول ضرور ہوتا ہے لیکن ناشتے میں اور چیزیں بھی بنتی ہیں ۔کھانے میں بھی ، انڈا، جیم .....اور کچھ اور چیزوں کے نام لئے جو میں سمجھ نہیں سکی ۔

ہم سے آگے لیبیا کی مبروکہ، فاطمہ اور نجمہ تھیں، نجمہ ہائی سکول کی سائنس ٹیچر تھی ۔اس کی پنڈلیاں بھی چل چل کر سوج گئی تھیں کہ رہائش پانچ کلومیٹر دور ملی تھی اور ان دنوں میں سواری میسر تھی نہ ممکن ۔(ہماری وزارت حج جیسی کرپشن لیبیا میں بھی ہوگی !) تھوڑی دیر کی عمومی گفتگو اور ''دکھ سکھ'' کے بعد موضوع بدل گیا ۔ لیبیا ، سوڈان کے حالات ، صدام حسین ، عراق، فلسطین، عالمِ اسلام .....نرم خو اور خندہ رُو ''لیلیٰ سودانیہ'' تلخ ہوتی گئی اور باقی تینوں خواتین بھی ۔اب ان کی عربی کی ''لے'' تیز ہوتے ہوتے میرے سر پر سے گزرنے لگی ۔لیکن چند جملے بڑے واضح تھے ۔''یہ امریکی ''بترول'' کے بھوکے ہیں اور انسانیت کے دشمن .....ساری دنیا میں یہی سونگھتے پھرتے ہیں جہاں سے یہ (پٹرول) مل جائے ،بس وہاں کے لوگوں کی خیر نہیں ہے ۔ ہر مسلمان ملک ان کی چراگاہ بنا ہوا ہے ۔سوڈان پر بھی دانت تیز کیے بیٹھے ہیں ۔''

لیبیا کا حال بھی ایسا ہی تھا۔''حکمران غدار ہیں ۔عوام کے دشمن اور دین دشمنوں کے دوست .....ان کے خلاف جہاد کے سوا کوئی چارہ نہیں ۔''

☆.....☆.....☆

سفر حج کے بڑے Pack اور سخت ٹائم ٹیبل میں باہمی تبادلۂ خیال کا موقع بہت زیادہ ہوتا نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی یہ اندازہ کرنے میں دقت نہیں ہوئی کہ عالمِ عرب کا عام ماحول زبان بندی کا ہے۔ مضطرب عوام بولنا چاہتے ہیں لیکن خاموش ہو کر رہ جاتے ہیں۔ مگر آزادئ اظہار پر بندش لگانے والے سوچتے نہیں کہ آزادئ افکار کو کون روک سکے گا!!

نومبر کے آخری دنوں کی اس خنک شام میں، حرم کی چھت پر بیٹھے ہوئے میں یہ تو محسوس کر رہی تھی کہ حالات جلد بدلیں گے۔ مگر اتنی جلدی، یہ اندازہ نہیں تھا۔ سوڈان میں عالمی طاقتوں کی سرپرستی میں جاری شورش فروری کے ریفرنڈم پر منتج ہوئی، جس میں ''جنوبی سوڈان'' کے نام سے عیسائی ریاست الگ کر لی گئی۔ اس وقت تو یہ اندازہ بھی نہیں تھا کہ تیونس کا خونی انقلاب اتنا قریب آ لگا ہے، مصر اور لیبیا کے عوام اٹھ کھڑے ہونے والے ہیں اور تیس چالیس سال سے مسلط حکمران کا دھڑن تختہ کرنے سے پہلے گھر جانے پر راضی نہیں۔ شام اور یمن بھی ہنگاموں کی زد میں آنے کو ہیں۔ عالم اسلام کے دل کی دھڑکنوں کی بے ترتیبی یہ تو بتا رہی تھی کہ کچھ ہونے کو ہے یعنی ''جی کا جانا ٹھہر گیا ہے'' لیکن اتنی جلدی!

میں نے وہاں کی ہر دھڑکن میں انفجار، انقلاب اور جہاد کا پیغام سنا تھا۔ ''قدسی'' بتا رہے تھے کہ یہ شہر بیدار ہونے کو ہے۔ اندر کے طواغیت کے خلاف بھی ..... باہر کے بڑے فرعون اور طاغوتِ اکبر کے خلاف بھی!

☆☆☆

سندھ میں سیلاب کی تباہ کاریاں

بارش کا کوئی قطرہ بھلا امر ربی کے بغیر بھی گر سکتا ہے؟ موسم اس کا، ہوائیں اس کی، بادل اس کے، برکھا اس کی، سمندر اس کے۔ وہ حکم کر دے تو ہوائیں غضبناک ہو کر آندھیوں کی شکل اختیار کر کے سب کچھ تہس نہس کر ڈالتی ہیں اس کا اشارہ پا کر بارشیں سیلاب میں بدل جاتی ہیں ضدی بچے کی مانند بپھری ہوئی لہریں جن کے آگے کوئی بند نہیں باندھا جا سکتا! زیریں سندھ میں سیلاب کی یہ بپھری ہوئی لہریں جنہوں نے حیدر آباد، میر پور خاص، نواب شاہ، سانگھڑ، بدین، ٹھٹھہ اور عمر کوٹ کے 60 لاکھ افراد کو بے گھر کر دیا۔

اوائل رمضان سے شروع ہونے والی بارشیں جو رمضان بھر جاری رہیں اور آمد و رفت کے تمام راستے بند ہو گئے، عید الفطر کے بعد جب آمد و رفت کسی درجہ بحال ہوئی تو ہم نے متاثرہ اضلاع کا دورہ کیا۔ ان اضلاع میں ہونے والی تباہی اور نقصانات ہمارے اندازوں سے کہیں بڑھ کر تھا۔ 10 لاکھ مکانات مکمل طور پر منہدم ہو گئے ہیں۔ اس وقت 45 لاکھ ایکڑ رقبہ زیر آب ہے اور 17 لاکھ ایکڑ پر کھڑی فصلیں مکمل تباہ ہو چکی ہیں۔ چاول، کپاس اور گنے کی کھڑی فصلیں سیلاب نے زمین کی گود سے اچک لیں۔ واضح رہے کہ صوبہ سندھ وہ واحد صوبہ ہے جہاں چاول کی فصل قبل از وقت تیار ہو جاتی ہے اور برآمد کنندگان دیگر سے قبل برآمد کر کے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ جگہ جگہ وسیع و عریض رقبے پر پھیلی ہوئی یہ فصلیں مکمل زیر آب آ چکی ہیں۔ صوبہ میں 5 لاکھ ایکڑ پر کاشت کی گئی چاول کی فصلوں کو نقصان پہنچا ہے جن کی برآمد سے گزشتہ سال 12، ارب ڈالر کا زرمبادلہ حاصل ہوا تھا۔

ٹنڈو الہ یار کے دورے کے دوران وہاں کی ساتھیوں نے بتایا کہ صرف ان کے ضلع میں 3 لاکھ سے زائد افراد متاثر ہوئے ہیں 58 ہزار لوگ اس وقت ضلع کے ریلیف کیمپوں میں بسائے گئے ہیں ہم نے متعدد ریلیف کیمپوں کا دورہ کیا جن میں سے بیشتر حکومت کے تحت اسکولوں میں قائم کئے گئے ہیں۔ جبکہ ہزاروں لوگ کھلی جگہوں اور راستوں پر حکومتی امداد کے منتظر ہیں۔ سندھ میں سندھی ٹوپی اور اجرک کا دن بڑے تزک و احتشام سے منایا گیا لیکن اس ٹوپی اور اجرک کو عزت دینے والے وہ لاکھوں وجود آج کھلے آسمان تلے سیلاب میں اپنا سب کچھ کھو کر بھوک اور بیماری سے لڑ رہے ہیں اور انکا کوئی حکومتی عہدیدار پرسان حال نہیں۔ ٹوپی مقدس اور اس کے پہننے والا سر یوں بے آبرو؟ شاید یہی ان کی تہذیب ہے! سندھ کے جاگیردار اور وڈیرے اپنے گھروں اور زمینوں کو بچانے کے لئے نہروں کے پشتے توڑ کر غریب کسان اور ہاریوں کے گھروں اور زمینوں کو برباد کر دیتے ہیں۔ پچھلے برس کے سیلاب نے بھی یہی تاریخ رقم کی اور اس بار

بھی بے دردی سے سیلابی پانی کا رخ گنجان آبادیوں کی طرف موڑ دیا گیا تا کہ زیادہ تباہی دکھا کر عالمی اداروں سے زیادہ مدد کی اپیل کی جا سکے۔

ضلع میر پور خاص بھی بری طرح متاثر ہوا ہے۔ یہاں روڈ نیٹ ورک مکمل تباہ ہوگیا ہے اور لوگ ابھی تک گدھا گاڑیوں کو آمدورفت کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔صرف اس ایک ضلع میں 3 ہزار سے زائد دیہات بہت متاثر ہوئے ہیں اور 7 لاکھ سے زائد لوگ بے گھر ہیں۔تمام فصلیں تباہ ہو چکی ہیں، اور ضلع کی ساتھیوں نے بتایا کہ تالابوں اور گھروں سے جتنا پانی باہر کھینچ لیا جاتا ہے رات بھر میں اتنا ہی پانی دوبارہ جمع ہو جاتا ہے۔ زمین کے نیچے سے پانی ابل رہا ہے لوگ اس کو عذاب سے تعبیر کر رہے ہیں۔

کچھ کار پردازانِ حکومت اور دوسری این جی اوز تو ریسکیو اور ریلیف کا کام کر رہی ہیں جبکہ ایسے میں الخدمت حلقہ خواتین کو بے حد مستعد پایا جن کی کارکن جو خود بھی متاثرین میں شامل ہیں نہ صرف ان کی جسمانی ضروریات راشن، کپڑوں اور دواؤں کا بندوبست کر رہی ہیں بلکہ ہر جگہ اجتماعی استغفار کے پروگرام بھی منعقد کر رہی ہیں اور تمام ممکنہ ذرائع و وسائل سے ان کی مقدور بھر مدد کر رہی ہیں۔آپکو جگہ جگہ الخدمت کے کیمپ اور ہزاروں رضا کار کارکن ہمہ وقت متحرک نظر آئیں گے جو کسی نشست کے لالچ سے بے غرض اپنے سندھی بھائیوں کے دکھ بانٹ رہے ہیں اور مسلمانوں کے جسدِ واحد ہونے کا عملی مظاہرہ پیش کر رہے ہیں۔کیمپوں کے علاوہ بھی الخدمت کے رضا کار جگہ جگہ متاثرین کی مدد کو پہنچ جاتے ہیں پیا کی ایمبولینس سروس رات دن مصروفِ عمل نظر آتی ہے۔لیکن دکھوں کے اس سمندر اور تباہیوں کی دلدل میں یہ سب کوششیں آٹے میں نمک کے برابر نظر آتی ہیں۔ ہزاروں بے یار و مددگار لوگ جن تک نہ وفاق پہنچا نہ صوبہ سندھ کا کوئی ایم پی اے، ایم این اے، ہمارے بے خوف خدا حکمران عوام کا بھی کوئی خوف نہیں رکھتے کہ وہ سندھ کارڈ جو وہ اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے استعمال کرتے ہیں اگر یہ خلقِ خدا نہ رہی تو ان کے تخت و تاج کا ضامن کون ہوگا ؟ حکمرانوں کی یہ سفا کی اور سنگدلی نوشتہ دیوار بن چکی ہے کہ اقوام متحدہ نے بین الاقوامی برادری سے سندھ کے سیلاب متاثرین کے لئے 36 کروڑ ڈالر کی مدد کی اپیل کی جس پر عالمی برادری نے کان نہ دھرا کیونکہ دنیا ان زردار وزر پرست حکمرانوں پر اعتماد کرنے کو تیار نہیں جگہ جگہ جہاں آپ کو تباہی کے نوحے ملیں گے وہیں حکمرانوں کی بے حسی کے نوحے بھی۔ جگہ جگہ سرخ اینٹوں کے ڈھیر قدم روک لیتے ہیں لاکھوں گھر مسمار ہو کر زمین بوس ہو چکے ہیں سینکڑوں گاؤں اور دیہات صفحۂ ہستی سے مٹ چکے ہیں۔

ضلع بدین جو سب سے زیادہ متاثرہ ضلع ہے ہم اس کی تحصیل ٹنڈو باگو گئے جہاں 10 یوسیز پوری طرح نذر سیلاب ہو چکی ہیں اور بند روڈ کے ساتھ کئی فرلانگ تک کئی فٹ کھڑا سیلابی پانی ہے۔ یہاں جگہ جگہ پانی میں اور خشکی پر آپکو خطر ناک قسم کے حشرات الارض سے واسطہ پڑتا ہے،معلوم ہوا کہ اس سیلاب کے دوران 7 ہزار سے زائد لوگ صرف سانپ کے کاٹنے سے متاثر ہوئے ہیں۔ بیشتر کو فوری طبی امداد نہ مل سکی اور جب تک عراق سے تریاق آئے گا نہ معلوم کتنی زندگیوں

کے چراغ گل ہو چکے ہونگے !اس وقت متاثرین سیلاب میں 6لاکھ سے زائد افراد ، آشوبِ چشم کا شکار ہیں جبکہ جلدی امراض بھی وبائی صورت میں پھوٹ پڑے ہیں اوراس سے بھی زائد افراد جلدی امراض میں مبتلا ہیں ۔سب سے زیادہ عبرتناک منظر یہ کہ چاروں طرف سے پانی میں گھرے ان لوگوں کے پاس سے آپ کو''العطش العطش'' کی آوازئیں سنائی دیتی ہیں پینے کا پانی دور دور میسر نہیں ۔راستے میں جگہ جگہ عورتیں پانی کے گھڑے اور بچے سروں پر پانی کے برتن اٹھائے گھٹنوں گھٹنوں پانی میں پینے کے پانی کی تلاش میں سرگرداں تھے ۔ایک کیمپ میں دستیاب اعداد وشمار سے معلوم ہوا کہ اس وقت 7لاکھ افراد ہیضے کے مرض میں مبتلا ہیں جن میں نصف سے زائد خونی ہیضے کا شکار ہیں ۔مکھیوں ، مچھروں اور مینڈکوں کی اس درجہ کثرت ہے کہ محسوس یوں ہوتا ہے جیسے آسمان سے بارش کے ساتھ ان حشرات الارض کی بھی یلغار ہوئی ہے اب جگہ جگہ ٹھہرے ہوئے پانی میں یہ نشوونما پا کر طرح طرح کی بیماریوں کو پھیلانے کا سبب بن رہے ہیں ۔اس پھٹی ترپال میں ٹوٹی ہوئی چارپائی پر بیٹھی صغریٰ کے لئے موت کتنی ارزاں اور زندگی کتنی مہنگی ہے جو اپنے آنسوؤں کو کئی بار جگہ جگہ سے اُدھڑی ہوئی قمیض کی آستین میں جذب کر چکی تھی ۔ یہاں ہر لہجے کی ویرانی امید وآس سے خالی تھی جس میں حسرتیں بھی تھیں اور تاسف بھی!

یہ زلزلے ،طوفان اور سیلاب جہاں اپنے طبعی اسباب رکھتے ہیں وہیں ان کے پیچھے چشم کشا اخلاقی عوامل بھی کارفرما ہوتے ہیں ۔ یہ انتباہ ہے،آزمائش ہے اور انسانوں کی اصلاح کے عمل کا ایک حصہ بھی اور اس میں ایک معنویت پوشیدہ ہے کہ کہیں ہم فساد فی الارض کے اس درجہ مرتکب تو نہیں ہو گئے کہ اللہ کی یہ گرفت ہم پر لازم ہوگئی کیونکہ اللہ کا قانون ہے کہ جب اس کی گرفت واقع ہوتی ہے تو خود انسانوں کے اعمال اور ظلم کے باعث ہوتی ہے اور پھر ظالم اور باغی معاشرے کا ہر فرد مجرم قرار پاتا ہے۔

''اور بچو اس فتنے سے جس کی شامت مخصوص طور پر صرف انہی لوگوں تک محدود نہ رہے گی جنہوں نے تم میں سے گناہ کیا ہو اور جان رکھو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔''(سورہ انفال25)

قرآن گزری ہوئی قوموں کے جو رونگٹے کھڑے کر دینے والے واقعات بیان کرتا ہے ان کی اصل حکمت یہی ہے کہ انسان زندگی اور موت کے ان تمام مناظر سے عبرت لے سکے خواہ وہ ماضی میں واقع ہوئے ہوں یا ان کی جھلک خود ان کے گردو پیش میں دیکھی جا سکتی ہو۔ بالاکوٹ اور مظفرآباد کے زلزلے یا سندھ کے سیلاب کی صورت میں اس وقت رنج والم کے وہ مناظر جو اصلاح احوال کے لئے عبرت کا بہت سامان اپنے اندر رکھتے ہیں ۔ یقیناً اس وقت اس سوال پر غور کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے کہ ہم نے شب قدر کی مبارک رات حاصل ہونے والی اس پاک سرزمین کے ساتھ کیا معاملہ کیا ؟ ہم جو امت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ کے نقیب تھے ہم نے اپنے کندھے اپنے اور اللہ کے دشمنوں کو پیش کئے کہ وہ ان پر رکھ کر بندوق چلائیں اور مسلمان ممالک میں خون کی ہولی کھیلیں ۔ ہم نے تعلیم کے ذریعے تہذیبی غلامی کا قلادہ اپنی گردن میں ڈالا اور فواحش کا کلچر

عام کیا۔حکمران ہو یا سیاستدان یا با اثر طبقات ہر اک اللہ کی حدود کو سر عام پامال کر رہا ہے۔ عدل کو ترستا ہوا معاشرہ ظلم و استحصال کی آماجگاہ بنا دیا گیا ہے،اور لاالہ کی سرزمین پر کلمہ گو مسلمان کبھی ڈرون کا نشانہ ہیں تو کبھی ٹارگٹ کلنگ کا۔

تو پھر.....اللہ کی گرفت کا تازیانہ سیلاب اور زلزلے اور خونِ مسلم کی ارزانی کی صورت میں کیوں نہ سامنے آئے؟ تاریخ کا سبق ہے کہ یہی اللہ کی ہیبت ہے اور **ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا** لئے متاثرین کی بحالی اور آبادکاری کی کوششوں کے ساتھ ساتھ استغفار، انفرادی اور اجتماعی توبہ اور خود احتسابی اور اجتماعی احتساب وقت کی اہم ضرورت ہے کہ قوم احتساب کرے کہ حکمرانوں کے لئے بیرونی ملک دوروں اور اپنی عیاشیوں اور تن آسانیوں کے لئے تو تمام وسائل دستیاب ہیں لیکن سیلاب کے ہاتھوں لاکھوں زندہ درگور انسانوں کا اس قومی دولت پر کوئی حق نہیں۔ امانت میں خیانت کرنے والے ان عوامی نمائندوں کے حقیقی احتساب کا وقت ہے کہ آزمائش کی اس گھڑی نے کون کون سے چہرے بے نقاب کئے ہیں؟ آزمائش کی اس گڑھی میں نبی پاک ﷺ کے اس چشم کشا ارشاد کی روشنی میں اس آئینے میں اپنے حقیقی خدوخال دیکھتے ہیں۔

''جب مالِ غنیمت کو ذاتی مال سمجھا جانے لگے اور امانت کو مال غنیمت سمجھ لیا جائے زکوٰۃ ادا کرنا جرمانہ اور چٹی بن جائے اور علم حاصل کرنے کا مقصد دین پر عمل کرنا نہ ہو اور مرد ماں کا نا فرمان اور بیوی کا فرمانبردار ہو جائے، باپ سے دوری اختیار کرے اور دوست کی قربت چاہے، مسجدوں میں شور ہونے لگے، قبیلے کا سردار فاسق بن جائے اور قوم کا سربراہ گھٹیا انسان بن جائے اور آدمی کی عزت اس کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے کی جانے لگے، آلات موسیقی کثرت سے ظاہر ہو جائیں، شراب پی جانے لگے، اس امت کا آنے والا گروہ گزر جانے والے گروہ پر لعنت کرنے لگے تو پھر.....تم انتظار کرو سرخ آندھیوں کا، زلزلوں کا، زمین کے دھنس جانے کا، صورتوں کے بگڑ جانے کا، آسمان کے عذابوں کا، اور یہ نشانیاں یکے بعد دیگرے ایسے ظاہر ہونگی جیسے پرانی تسبیح کا دھاگہ ٹوٹنے سے اس کے موتی مسلسل گرنے لگتے ہیں۔''(ترمذی، حدیث 2136۔کتاب الفتن)

☆☆☆

غُفرَانَکَ رَبّنا...!

میرے اللہ ! میرے مولا !
میں نے تجھ سے پانی مانگا
تجھ سے ابرِ رحمت کی فرمائش کی
(دل نے بھیگی بھیگی رُت کی خواہش کی)
میں نے چاہا موسم بدلے ،
میں نے سوچا دھوپ ڈھلے اور
سر پہ بادل تن جائے !
تو نے میری دعا سنی ، مینہ برسایا
پیاسی مٹی کو تو نے سیراب کیا ،
لیکن مولا ! ایسی بارش !!
جس نے شہروں ، گاؤں کو غرقاب کیا
جس نے جان و مال کا یوں نقصان کیا
جس نے فصلوں کو ایسے برباد کیا
لوگوں کو بے گھر کر کے ناشاد کیا

ساوَن ٹوٹ کے برسا لیکن ،
غم کی آگ نہ بجھ پائی
تیری ناراضی پہ دل بھر بھر آیا
مولا ! پھر اک بار معافی دے دے ہم کو
ہم سے ایسے منہ نہ پھیر!
اپنی رحمت سے ہم کو محروم نہ کر !
اپنے آپ سے ہم کو ایسے دور نہ کر !
مولا ! تیری نا فرمانی پر توبہ!
تیرے حکم سے رو گردانی پر توبہ!
ہر غفلت اور ہر نادانی پر توبہ!
ہر تقصیر پہ ! ہر لغزش پہ !
ہر آلودہ قول و فعل پہ توبہ!

شمیم فاطمہ

امر کہانی

کیوں لکھوں میں امر کہانی کیوں لکھوں میں کومل گیت
کیوں سپنوں میں رنگ بھروں میں کاہے بانٹوں گھر گھر پریت
میں بھی مایا کے گُن گاؤں دھن دولت کا جاپ کروں
سونے چاندی کے بدلے میں پُن کو چھوڑوں پاپ کروں
تالوں سے مفرور انا کے سب دروازے بند کروں
اونچی بیساکھی پہ چڑھ کے اپنا آپ بلند کروں
سنگِ مرمر جڑ کے اُجالوں اونچے اونچے محلوں کو
گُندلو بھلا بھ سے گُندھے بدن پہ خوب سجاؤں گہنوں کو
پھر ٹھنڈے پتھر سے لگ کر بین کروں تنہائی کا
کوئی سناؤ امر کہانی سُر چھیڑو شہنائی کا
پھونک دو سونا چاندی رکھ کے توڑ دو سارے تالوں کو
بیساکھی سے مجھے اتارو کوئی سنو مرے نالو ں کو
میں لکھوں گی ''امر کہانی'' میں لکھوں گی کومل گیت
میں سپنوں میں رنگ بھروں گی بانٹوں گی میں گھر گھر پریت

نجمہ یاسمین یوسف

سوالوں کے سلسلے

ماما! ہم کب پارک چلیں گے ؟
جب یہ مچھر کو ُچ کریں گے !
ماما ! پکنک پر لے چلئے!
بیٹا! یہ حالات تو سدھریں !
ماما! چلئے شاپنگ کرنے
بیٹا آج دکانیں بند ہیں
اچھا ! نانو کے گھر چلئے
آج سواری کہاں ملے گی !
ماما ! کھیلنے جانے دیں ناں!
نہ نہ بیٹے ! گھر میں بیٹھو
ماما ! کیا ہم زنداں میں ہیں ؟
نہیں نہیں ! ہم تو گھر پہ ہیں
کیا اس ملک میں جنگ چھڑی ہے!
نہ نہ بیٹے ! توبہ ! توبہ
ایسی کوئی بات نہیں ہے
پھر یہ اتنے پہرے کیوں ہیں؟
بند کھڑکی دروازے کیوں ہیں ؟
باہر جانا کیوں مسئلہ ہے ؟؟
کیوں ہر کوئی خوفزدہ ہے !!

شمیم فاطمہ

ترے در سے حسنِ طلب ملے

پہلے پہل تو دبی دبی خواہش تھی پھر وہ آرزو اور پھر حسرت بن گئی۔حسرت بھی ایسی کہ جس نے اُسکا کھانا پینا اوڑھنا پہننا تک بھلا دیا۔جس کی خوش لباسی اور خوش گفتاری کا پورے علاقے میں چرچا تھا اب وہ اکثر اپنے آپ سے بے نیاز ایسے حلیے میں نظر آتی

کہ جو دیکھتا پہلے مسکراتا اور پھر اس کی نا تمام حسرت پر آنسو بہاتا۔سفید شرٹ کاٹن کی ہے تو شلوار پرپل کلر میں ویلیوٹ کی پہن رکھی ہے.....ایک پاؤں میں سبز چپل ہے تو دوسرے میں گلابی جوتا..... بالوں میں کنگھا کئے کئی دن گذر جاتے.....کالج، یونیورسٹی کی بہترین ڈی بیٹر زبان پر کئی من وزنی چُپ کا قفل چڑھائے رکھتی ہے۔

حسرتوں نے اب چنگاری کا روپ دھار لیا اور اس کی غزالیں آنکھوں سے حسرتوں کے شعلے لپکتے دکھائی دیتے۔

اس کے سینے سے حسرتوں کا دھواں آہ بن کر دہکنے لگا۔

اس چنگاری نے اس کے من کو ہی نہیں سلگایا ہڈیوں کا گود ابھی سلگ اٹھا۔

وہ اپنے اردگرد جہاں نظر ڈالتی، بازار، سکول، ہسپتال، پارک جہاں جاتی دنیا اسے خوشیوں میں مگن دکھائی دیتی اس کے غم سے بے نیاز!

اس نے دنیا والوں سے دل کا رشتہ توڑ کے اوپر والے سے رشتہ جوڑ لیا۔

سچا اور پکا.....!!

کسی حد تک اپنے غم کو پینے والی فاتحہ اب دنیا کے موج میلے میں واپس آنے کی کوشش کرنے لگی۔

دل کو سمجھانا کون سا مشکل کام ہے۔دل نے حکم دیا اور سارے وجود پر نافذ ہوگیا۔اپنے گھر والوں کے ساتھ ہنستے کھیلتے مسکراتے، گاتے گنگناتے اسے ایک دم خیال آجاتا.....وہ بے اختیار نگاہ آسمان کی کی جانب اٹھاتی۔

خاموش نظروں میں بلا کا شکوہ ہوتا۔

پیدا کرنے والے! میرے اردگرد سینکڑوں اور ہزاروں نہیں لاکھوں کروڑوں ننھے منے وجود تو نے ہی دنیا میں بھیجے ہیں اور مجھے پورا یقین ہے کہ ان میں سے اکثر ایسے ہوں گے جو تو نے بن مانگے دیئے ہوں گے.....اور کچھ ایسے بھی ہوں گے جن کے لئے اُن کے والدین نے بہت کوشش کی ہوگی کہ وہ دنیا کی دلفریبیوں میں نہ آسکیں.....ان وانٹیڈ، بن چاہے اور بن مانگے بچے!

اور کچھ ایسے ہوں گے میرے مالک! جن کے لئے ان کے والدین نے رو رو کر دعائیں کی ہوں گی

منتیں مانی ہوں گی

تجھ سے فریاد کی ہوگی

مالک کیا میں نے فریاد میں کمی کی؟

کیا میرے سجدے تجھے پسند نہیں آئے؟

کیا میرا رونا بلکنا تجھے اچھا نہیں لگا؟

کیا میری منتوں مرادوں میں نوافل، صدقات، عمرہ، نذر و نیاز، ذکر واذکار شامل نہیں؟

مالک! تو مجھے کیوں ترستا تا ہے؟

مجھے اس محرومی سے کیوں تڑپاتا ہے؟

کیا میرا کوئی اور ٹھکانہ ہے؟

یا تو ہی بتا تیرے علاوہ کوئی اور دینے والا ہے، میں اس سے مانگ لوں.....

لُولا لنگڑا ہی سہی بچہ تو ہو..... جو میری گود کو بھر سکے..... میری تمنا کی پیاس بجھا سکے؟

روتے روتے وہ سجدے میں گر گئی۔

بہت عجیب سی بات ہے حذیفہ! ''میں اللہ سے اپنی دنیا دور کرنے کیلئے جتنی دعا مانگتی ہوں، اللہ نعمتوں میں اتنا ہی اضافہ کرتا ہے۔'' پانچ مرلے سے 2 کنال کی کوٹھی، سیکنڈ ہینڈ موٹر بائیک سے ہنڈا کار.....کارنر والے جنرل سٹور سے ''جدہ شاپنگ پلازہ'' تک کونسی نعمت نہیں جو اسے گئے دنوں میں نہ ملی۔

اس کے نہ نہ کرتے بھی حذیفہ نے کل وقتی ملازمہ کا بندو بست کر دیا۔ وہ جتنا چیخی چلائی کہ میری کونسی گھر میں اور مصروفیت ہے کاموں میں دل لگا رہتا ہے.....اتنا ہی اس کے لئے ملازموں کا بندوبست ہوتا گیا۔

پہلے ڈرائیور، پھر ماسی پھر کل وقتی ملازمہ اور اب خانساماں کا بھی بندو بست ہو گیا۔ اس کے اعتراض کرنے پر حذیفہ نے بے نیازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

''شادی سے پہلے جتنی حسرتیں دل میں تھیں ساری پوری کر لو''

فاتحہ نے سر جھکا لیا.....حسرتوں کی ساری لمبی قطار تو کب کی اس کے دل کی قبر میں دفن ہو گئی تھی .....حسرت تو ایک ہی ہے! اللہ تو قادر ہے ایک بچہ دے دے..... جیتا جاگتا..... جو اسے توتلی زبان میں ''اماں'' کہے اور اس کے اندر تک ٹھنڈ پڑ جائے.....

حسرتوں کی آگ کا بھانبڑ پلک جھپکنے میں بجھ جائے! اللہ تو بڑا بے نیاز ہے تیرے خزانے میں کیا کمی آجائے گی اگر تو ایک بچہ دے دے..... یہ کالے پیلے روتے ہنستے سب تیری تخلیق ہی تو ہیں۔

اس نے سکوہ کناں نظروں سے آسمان کی طرف دیکھا.....

خانساماں کو کئی دنوں سے بخار تھا.....اس نے عارضی طور پر اپنی جگہ ایک خاتون ملازمہ کو بھیجا.....

ملازمہ نے آتے ہی اسے سلام کیا۔ اس کی نظر نہ قیمتی فانوس پر تھی نہ مہنگے قالین پر.....نہ اسے جدید ڈیکوریشن پیسوں سے غرض تھی نہ بالکل نئے فیشن کے پردوں سے۔ اس کی نظر کا مرکز و محور صرف اور صرف فاتحہ کی ذات تھی۔

''توبہ کتنا سناٹا ہے بیگم صاحب.....کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

.....کیا بچے سکول گئے ہیں؟

''نہیں.....'' فاتحہ نے مختصر سا جواب دیا۔

''ہائیں کہاں گئے؟'' ملازمہ نے حیرت سے پوچھا

''اللہ کے پاس!'' فاتحہ نے گول مول سا جواب دیا۔

''ک۔کیا مطلب، مر گئے؟'' ملازمہ نے ہولا کر پوچھا۔

''نہیں آئے ہی کب تھے جو مر گئے'' اس کی آنکھوں سے بھل بھل آنسو بہنے لگے۔

''ارے کاہے کو روتی ہو'' ملازمہ نے رازداری سے کہا۔

''لو اولاد لینا بھی کوئی مشکل کام ہے؟''

فاتحہ چوکنی ہوگئی..... ''کیا مطلب؟''

''مطلب کو چھوڑو یہ بتاؤ شادی کو کتنا عرصہ ہو گیا ہے؟''

ملازمہ نے انٹرویو لیا۔

''دس سال.....'' لمبی آہ فاتحہ کے سینے سے نکلی۔

''لو میری جٹھانی کی شادی کو بیس سال کے بعد اولاد کا منہ دیکھنا نصیب ہوا۔کوئی پیر فقیر کوئی درگاہ نہ چھوڑی تھی ..... ایک دن تنگ آ کر کہنے لگی.....اللہ سائیں لینا تو تجھ سے ہے لُو لا دے بھلے لنگڑا دے.....''

بات ٹھاہ کر کے فاتحہ کے دل کو لگی۔

مالک لینا تو تجھ سے ہی ہے.....بس.....آگے کہتے کہتے بریک سی لگی پھر کہہ ہی دیا

لُو لا دے لنگڑا دے.....دے تو سہی۔

☆.....☆.....☆

پہلے تہجد کی نماز قضا ہوئی پھر فجر کا وقت بھی کسمساتے گذرا۔کسی کام کو دل نہ چاہ رہا تھا۔

اونگھتے اونگھتے ظہر کا وقت ہو گیا۔کسلمندی، منہ میں اور ہی طرح کی کڑواہٹ.....کچا کچا جی۔

پتہ نہیں اللہ جی کیا بات ہے کل تو ٹھیک تھی۔کل شاید گرم گرم بھُٹے کھانے سے معدے میں درد ہو رہا ہے.....وہ ظہر کی نماز بھی لیٹے لیٹے قضا کر گئی.....خانساماں اندر آ کر ہدایات لے جاتا۔اونگھتے ٹھیلتے وہ بتاتی رہی یہاں تک کہ حذیفہ کے آنے کا وقت ہو گیا۔

وہ اپنی مخصوص ٹون میں ہنستا مسکراتا اندر آیا سستی سے فاتحہ نے بیڈ سے پاؤں نیچے اتارا۔اسے زور کی ابکائی آئی۔توبہ! وہ ناک منہ بند کر کے واش روم کی طرف بھاگی۔

''فتو مائی کیا کھایا.....؟'' اس نے پوچھا۔

''رات کمر میں درد کی شکایت بھی کرتی رہی ہو'' کافی دیر فاتحہ واش روم سے باہر نہ آئی۔

''بیگم صاحبہ خیریت تو ہے.....کل اپنی Try کی ہوئی چیز تو نہیں کھالی کوکنگ کلاس میں؟''

''افوہ.....اتنی تیز پرفیوم .....ہٹیں پیچھے'' اس نے پھر ابکائی لی۔

''نیک بخت شروع دن سے یہی پرفیوم استعمال کرتا آ رہا ہوں یہ آج بیٹھے بٹھائے تیز ہو گئی.....واہ!''

واش روم سے پانی گرنے کی آواز کافی دیر آتی رہی ..... فاتحہ باہر آئی تو نڈھال تھی..... بیڈ پر گری تو دل کی دھک دھک کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

امیدوں کے چراغ ایک دم روشن ہو گئے۔

کاشانہ دل میں حسرتوں نے امنگوں کا روپ دھار لیا۔جو ہوائیں اس کے تن من کو جھلسایا کرتی تھیں اب بادِ صبا کی طرح اٹھکھیلیاں کرتی محسوس ہوتیں۔

رات بھر جو ستارے اس کے دکھ سکھ میں ساتھ دیتے تھے

اب ہر وقت مسکراتے نظر آئے۔

لوگوں کی ترس بھری نظروں پر وہ ترس کھاتی۔

بہار ہی بہار..... کائنات کی خوبصورتی اسے مسحور کرتی اور وہ سوچتی کا ہے کو وہ کائنات کی بدصورتیاں ڈھونڈ رہی تھی۔

ایک نیا وجود تخلیق پانے کا مرحلہ شروع میں ہی تھا کہ اس کے اندر باہر کی دنیا بدل گئی۔

لوگوں کے تبصرے پر وہ کھلکھلا کے ہنستی.....

نو ماہ نہیں نو صدیاں تھیں جو اس نے شوق، انتظار اور بے تابی کے عالم میں گذاریں!

گھر کے کام کاج ملازموں کے سپرد تھے، اس نے باہر کی تمام سرگرمیاں ختم کر کے نئی سرگرمی کا آغاز کیا۔

بچے کے رنگ روپ، ناک نقشے کے تصور سے لے کر بچے کے نام کے انتخاب کا.....دن میں ہزار دفعہ فہرست بناتی اور خود ہی رد کر دیتی.....نام ایسا ہو جو اچھوتا اور منفرد ہو، اچھے معنی بھی رکھتا ہو۔ سننے میں خوب، بہت لمبا بھی نہ ہو۔ جنت چلتے چلتے اس کے پاؤں کے قریب پہنچ گئی تھی۔ شروع میں ہی اسے بتا دیا گیا تھا کہ بچے دو ہیں۔

''دو؟'' وہ حیرت سے چلائی۔

''ایک بیٹا ایک بیٹی، دونوں کے نام سوچ لیں مسز حذیفہ!''

لیڈی ڈاکٹر نے ہنس کر مشورہ دیا۔

''ارے واہ یہ تو زبردست بریکنگ نیوز سنائی مادام فاتحہ نے.....'' حذیفہ بھی خوشدلی سے بولا

''ایک نہیں دو آیاؤں کا بندوبست کروں گا، بے فکر ہو جاؤ''

حذیفہ نے اس سے کہا

جنت پاؤں کے نیچے آنا..... ماں کا عرشوں کی بلندی جیسا رتبہ پانا کس قدر مشقت سے ملتا ہے یہ فاتحہ کو لیبر روم میں گذارے دس گیارہ گھنٹوں میں پتہ چلا۔

ہر درد، ہر تکلیف کو اپنی جان پر سہہ کے جب اس کی گود میں اکٹھے دو بچے آئے تو وہ ساری تکلیف بھول گئی.....

پانچ پانچ سو کے نوٹ اس نے قطار میں لگی نرسوں کو دیئے .....مٹھائیوں کے ٹوکرے کھلنے لگے.....

دونوں بچے رو رہے تھے اور فاتحہ کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو آ رہے تھے۔

ریشم کے سیاہ لچھے جیسے بالوں، گلابی گلابی رنگت ولا نازک سا شہزادہ!

''شہزادہ نہیں ولی عہد.....'' حذیفہ نے اس کے دل کی تحریر پڑھ کر فقرہ مکمل کیا۔

مدر کیئر کا بے بی سوٹ پہنے وہ واقعی گپلو سا فرشتہ تھا..... ہر لحاظ سے مکمل، خوبصورت ترین! جونہی فاتحہ نے اسے گود میں لیا اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

سیاہ روشن، دو آنکھیں گھنگھریالے بال جیسے ندی کی لہریں!

اس نے اس کے سر پر پیار کر کے نرس کو پکڑایا۔

بیٹی حذیفہ کی گود میں تھی۔

بھائی کی نسبت قدرے دبلی..... رنگ بھی سرخ سا تھا۔

چندیا پر دو چار بال ہی تھے۔

ناک کا حدود اربعہ کچھ زیادہ ہی پھیل گیا تھا.....

ہونٹ بہت پتلے.....بغیر کٹاؤ کے.....

اس نے پیار کیا اور بیڈ پر لٹانے لگی..... پنک فراک میں وہ بلا شبہ اتنی چھوٹی سی گڑیا تھی جس کو آسانی سے وہ اپنے ہاتھ پر رکھ سکتی، بونی.....میرے خدا.....ہائے بونی.....اس نے سہم کر سوچا۔

''فکر نہ کرو..... فاتحہ! اللہ نے دی ہے ہم پیار سے لیں گے۔'' حذیفہ نے اسے دلاسا دیا۔

حذیفہ بہت خوش تھا.....اسے چپ دیکھ کر حذیفہ سے رہا نہ گیا

''ناشکری کیوں کرتی ہو؟ قد چھوٹا ہے تو کیا ہوا؟ قد تو اللہ کی دین ہے ہم گناہ گاروں کی قدرت میں کم یا زیادہ کرنا نہیں، .....وہ وقت سوچا کرو جب کچھ نہیں تھا اور تم.....''

.....فاتحہ نے جلدی سے ہاتھ حذیفہ کے منہ پر رکھ دیا

وہی نادان اور بے وقوف تھی۔

مایوسی اور محرومی میں کیا مانگ بیٹھی .....دینے والا اگر بیٹا صحیح سالم دے سکتا تھا تو بیٹی کو صحیح سالم بھیجنا اس کے لئے کیا مشکل تھا!

ٹپ ٹپ آنسو اس کی آنکھوں سے گرے اور چادر میں جذب ہو گئے ۔ اللہ نے اپنی کتاب میں انسان کو نادان اور جاہل ایسے ہی تو نہیں کہہ دیا!

☆☆☆

غزالہ ارشد

رزقِ ابلیس

زندگی کی سب سے بڑی اذیت اپنی اولاد کی آنکھوں میں اپنے لئے نفرت دیکھنا ہے اور راحیل کو وقت کے سمندر نے نفرتوں کے گرداب میں پھنسا پایا تھا اپنے پرائے اُسے نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے یہاں تک کہ اُس نے آئینہ دیکھنا بھی چھوڑ دیا اسے لگتا تھا کہ آئینہ بھی اُس سے نفرت سے منہ پھیر لیتا ہے۔ وہ تھا ہی اس قابل، اُس کا جرم ہی ایسا تھا.....لیکن آج بھی ایک ہستی ایسی تھی جس کی نگاہوں میں اس کے لئے نفرت نہیں تھی۔ شازیہ اس شخص سے اُس محبت کا بھی دعویٰ نہیں کر سکتی تھی جو پچیس برس پہلے اسے تمام رشتے ناطے توڑ کر اس کی زندگی میں لے آئی۔ شازیہ کو اس سامنے سوئے ہوئے شخص پر بہت ترس آ رہا تھا۔ اُس کے کپڑے آلودہ تھے، بال بکھرے ہوئے اور خوراک کی کمی نے چہرے کا ماس ختم کر کے ہڈیوں کو ابھار دیا تھا۔ جو سوئے ہوئے بھی ذرا سی آہٹ پر چونک جاتا جیسے ہرن جنگل میں اپنے پیچھے لگے شکاری کے خوف سے سہا رہتا ہے۔

رات کو شازیہ کھانا لے کر اوپر اس کے کمرے میں آ جاتی ۔ راحیل رات کے کسی بھی پہر چوروں کی طرح پچھلی کھڑکی سے اندر داخل ہوتا۔ شازیہ سے نظریں ملائے بغیر دو نوالے منہ میں ڈالتا اور شرمندہ سا ہو کر سر منہ چھپا کے سونے کی کوشش کرتا ۔ صبح سویرے نجانے کس وقت وہ شازیہ کو یونہی سوتے چھوڑ کر غائب ہو جاتا۔

آج بھی شازیہ اُسے سوتے ہوئے دیکھ رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں بیتا وقت فلم کی طرح چل رہا تھا۔ کیسا خوش خوراک اور خوش ذوق انسان تھا۔ ہر چیز میں کمال کا اسے جنون تھا، گھر سب سے عالیشان ہو.....لباس عمدہ ترین ہو، گاڑی سب سے جدید ہو، کھانا بہترین ہو اور آج نجانے دن بھر کون سیغاروں میں منہ چھپائے پھرتا ہے راحیل کے چہرے کی وحشت اور پریشان حالی دیکھ کر شازیہ کی آنکھیں ساون بھادوں کی طرح برسنے لگیں۔

اُس کے اپنے بچے اُسے دیکھنے کے روادار نہ تھے۔ خرم نے تو صاف کہہ دیا تھا اب یہ شخص دوبارہ اس گھر میں آیا تو میں یہاں سے کہیں دور چلا جاؤں گا۔

رابعہ نے اپنے شوہر کے ساتھ گھر آنا چھوڑ دیا تھا کہ سسرال میں ذلت نہیں سہہ سکتی۔ فائزہ کی حالت سب سے بُری تھی شاید اس شدید محبت کا ردِعمل تھا جو وہ اپنے باپ سے کرتی تھی ۔ اب چلا چلا کر کہتی تھی کہ یہ باپ نہیں ہماری خوشیوں کا قاتل ہے اس نے ہمارے گھر کو جہنم بنا دیا ہے۔

اور شازیہ اُس محبت سے شرمندہ تھی جو اُس نے راحیل سے کی تھی ۔ سب گھر والوں کی مخالفت کے باوجود اس نے راحیل کی محبت کو پذیرائی بخشی تھی ۔ ابا حضور کو راحیل میں وہ

خوبیاں نظر نہ آتی تھیں جو بڑی آپا اور منجھلی آپا کے شوہروں میں تھیں۔ مگر شازیہ بضد تھی کہ وہ معمولی سی ملازمت کے باوجود راحیل ہی کو اپنا جیون ساتھی بنائے گی۔

بڑے خلوص سے شازیہ نے راحیل کا ہاتھ تھاما تھا۔ تمام آسائشوں سے عاری اُس کی زندگی میں داخل ہو کر بھی شازیہ نے کبھی شکایت نہ کی۔ بچوں کی پیدائش کے بعد بڑھتے ہوئے اخراجات پورے کرنے کے لئے اس نے ایک اسکول میں ملازمت کر لی۔ آہستہ آہستہ حالات بدلتے گئے۔ بینک میں راحیل کی ترقی ہوگئی اور اس کے تعلقات بھی بڑے بڑے لوگوں سے قائم ہونے لگے۔

کبھی کبھی تو راحیل اتنا مہربان ہو جاتا جیسے کوئی قارون کا خزانہ ہاتھ لگا ہو۔ شازیہ حیران ہو کر پوچھتی کہ اتنا پیسہ کہاں سے آیا..... تو راحیل اُسے یہ کہہ کر مطمئن کر دیتا کہ بینک کی ملازمت کے ساتھ ساتھ ایک سائڈ بزنس بھی شروع کیا ہے بس اس میں منافع ہو گیا۔ سائڈ بزنس کی نوعیت بتانے سے یہ کہہ کر گریز کرتا کہ اتنے کاروباری معاملات عورتوں کی سمجھ میں کہاں آتے ہیں۔

شازیہ کا ماتھا اُس روز ٹھنکا جب بڑی آپا کے بیٹے کی شادی پر پہننے کیلئے اس نے زیورات نکلوانے چاہے۔

''ارے تم تو خود اتنی حسین ہو تمہیں زیورات کی کیا ضرورت ہے؟ نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی''۔ شازیہ کو پیار سے دیکھتے ہوئے راحیل نے کہا تو وہ یوں شرما گئی جیسے پہلی مرتبہ راحیل کے گھر آنے پر شرمائی تھی۔

''ویسے بھی آجکل حالات اچھے نہیں ان زیورات کے پیچھے جان تک لے لیتے ہیں ان سے بچنا ہی اچھا.....'' راحیل بات گول مول کر کے باہر چل دیا۔

شازیہ نے سوچا خود ہی یہ کام کرے گی ویسے بھی بڑی نند کے زیورات بھی وہیں ہیں اور وہ بھی مانگ رہی تھیں۔

جیسے ہی شازیہ بینک میں داخل ہوئی بینک منیجر نے مسکرا کر استقبال کیا۔ ''بڑے دن بعد آئی ہیں بھابھی۔ ابھی کچھ دن پہلے راحیل صاحب آئے تھے بتا رہے تھے کہ فیملی میں کوئی شادی ہے اس لئے زیورات چاہئیں ویسے آپ کا لاکر کھول دیا ہے آپ بھی استعمال کر سکتی ہیں۔''

جیسے ہی شازیہ نے لاکر میں ہاتھ ڈالا ایک جھٹکے سے اُس کا ہاتھ واپس آ گیا وہاں تو کچھ بھی نہیں تھا۔ اوہو تو راحیل صاحب مجھے سرپرائز دینا چاہتے ہیں ..... مسکراتے ہوئے شازیہ بینک سے نکل آئی۔ لیکن ایک بات اسے پریشان کر رہی تھی کہ اس میں آپا کا بھی زیور نہ تھا۔ تو گویا راحیل صاحب کو بہن کا بھی بہت خیال ہے۔ ہوسکتا ہے وہ انہیں گھر پہنچا آئے ہوں۔

شادی پر جانے کے لئے سب تیار کھڑے تھے۔ شازیہ نے تیار ہو کر راحیل کی طرف دیکھا ''لائیے جناب اب ذرا میرے زیورات میرے حوالے کریں بلکہ خود اپنے ہاتھوں سے پہنا دیں۔'' شازیہ نے ادا سے کہا۔

''کون سے زیورات؟'' راحیل کو جیسے کوئی کرنٹ لگا۔

اب مجھے زیادہ اُلّو نہ بنائیں میں سب جانتی ہوں آپ میرے اور آپا کے زیورات بینک سے نکلوا لائے تھے۔ آپا کے زیورات تو انہیں دے آئے تھے نا؟ شازیہ نے یقین کی کیفیت

کے ساتھ راحیل کی طرف دیکھا۔

راحیل یوں گم سم کھڑا تھا جیسے بہت بڑی چوری کرتے ہوئے پکڑا گیا ہو پھر یکا یک اس کا شاطر ذہن بیدار ہوا۔

''وہ شازیہ دراصل میں نے تمہیں بتایا نہیں تھا کہ تم پریشان ہو جاؤ گی جس روز تم نے زیورات کا کہا تھا اسی روز میں نے بینک سے نکلوا لیے تھے جیسے ہی میں گھر آنے کے لئے ذرا ویران سڑک پر پہنچا دو موٹر سائیکل پر سوار نوجوانوں نے میرا راستہ روک لیا اور پستول رکھ کہ تمام زیورات مجھ سے چھین کر لے گئے۔''

شازیہ کو چکر آ گیا اور گرتے گرتے بچی۔''کیا آپا کے زیورات بھی؟ اوہ میرے خدایا اب ہم انہیں کہاں سے ادا کریں گے۔''

''شکر کرو شازیہ میری جان بچ گئی اور تمہارا سہاگ سلامت رہا۔''راحیل نے ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

ہاں یہ تو شکر ہے۔آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

☆.....☆.....☆

ہوا کی تند و تیز لہروں نے کھڑکی کے پٹ پر دستک دی تو کمرے کی کھڑکی اک شور سے کھل گئی۔''کیا ہوا.....کیا ہوا؟''راحیل خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔

''کچھ نہیں ہوا۔''شازیہ نے راحیل کو تسلی دی اور کھڑکی کو بند کر دیا اس خوف اور دہشت نے راحیل کو کیا بنا دیا تھا۔ کوئی پل اس کے لئے سکون کا نہ تھا کوئی پہلی نظر دیکھے تو اسے پاگل ہی سمجھے۔ راحیل نے دوبارہ کروٹ لے کر سونے کی کوشش کی اور شازیہ گذرے لمحات کا تجزیہ کرنے کے لئے صوفے پر ہی نیم دراز ہو گئی ..... یہ کوئی انوکھی بات نہ تھی، راحیل اکثر موڈ میں بڑے پیار کے ساتھ شازیہ کو باہر کھانا کھلانے لے جاتا تھا۔آج بھی اسے ایک روٹین کا ڈنر سمجھ کر شازیہ خوشی خوشی تیار ہوئی اور راحیل کے ساتھ چل دی۔

''کیا بات ہے بھئی آج بڑے موڈ میں نظر آ رہے ہو''شازیہ نے خوش دلی سے کرسی کو قریب کرتے ہوئے کہا۔

''آپ جیسی بیگم ساتھ ہو تو کون ظالم ترنگ میں نہ ہوگا۔''راحیل نے شازیہ کو خوش کرنے کیلئے آنکھوں میں مزید محبت بھرتے ہوئے کہا۔

''اچھا اچھا بس۔اب زیادہ بننے کی ضرورت نہیں۔چلو کام کی بات کرو۔''

''تمہیں کیسے پتہ کہ میں کسی بات کیلئے تمہیں یہاں لایا ہوا!''راحیل نے حیرت سے کہا۔

''بھئی اتنا مکھن جو لگا رہے تھے تو میں نے سوچا کوئی کام ہی ہوگا۔''شازیہ نے ادا سے کہا۔

''اچھا یہ بتاؤ شازیہ کہ تم مجھ پر کتنا اعتماد کرتی ہو۔'' راحیل نے سوچتے ہوئے کہا۔

''ویسے تو عجیب سا سوال ہے لیکن چلو جواب دے ہی دیتی ہوں.....ہوں.....تو اتنا اعتماد کرتی ہوں کہ زندگی جناب راحیل صاحب کے سپرد کر دی۔''

''میری زندگی کی تمہارے لئے کیا اہمیت ہے؟''راحیل نے سنجیدگی سے کہا

''راحیل؟ کیسی باتیں کر رہے ہو؟''شازیہ تھوڑا سا چونکی

''ایسے لگ رہا ہے جیسے کسی محاذ پر جا رہے ہو۔ظاہر ہے تمہاری زندگی کے لئے میں ہر قیمت ادا کر سکتی ہوں۔''

''سچ کہہ رہی ہو؟'' راحیل نے شازیہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

''ہاں بھئی بالکل سچ۔اب کیا آزمانے کا ارادہ ہے؟'' شازیہ کو راحیل کی باتوں سے الجھن بھی ہونے لگی تھی اور خوف بھی آنے لگا تھا۔

''تو پھر پلاٹ کے ان کاغذات پر دستخط کر دو۔'' راحیل نے کاغذات اس کے سامنے رکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

''راحیل کیا کہہ رہے ہو؟ تمہیں پتہ ہے میرے ابا کا دیا ہوا یہ پلاٹ ہم نے صرف بچوں کی تعلیم کے لئے بڑی مشکل سے سنبھال کر رکھا ہے۔''

''بس تھوڑے دن کی بات ہے شازیہ میں تمہیں اس سے بھی بڑا پلاٹ لے دوں گا بس اس وقت مجھے بچا لو۔''

شازیہ کیلئے راحیل کا رویہ بہت عجیب تھا..... یوں جیسے وہ ہاتھ جوڑے اپنی زندگی کی بھیک مانگ رہا ہو۔

''راحیل اچانک ایسی کیا مصیبت آ گئی .....'' شازیہ تو ابھی زیورات کے نقصان سے ہی نہ سنبھل پائی تھی کہ یہ پلاٹ تک فروخت کرنے کی نوبت آ گئی۔

''شازیہ میں کاروبار میں بہت بڑا دھوکا کھا چکا ہوں..... وہ لوگ مجھے جان سے مار ڈالیں گے۔'' راحیل کی آواز میں شدید خوف تھا۔

''دیکھو شازیہ اس وقت صرف تم مجھے بچا سکتی ہو..... بتاؤ میری زندگی تمہیں عزیز ہے یا یہ مال و دولت.....اگر اس پلاٹ سے زیادہ محبت ہے تو بے شک انکار کر دو .....'' راحیل نے آنسو بھری آنکھوں سے شازیہ کی طرف دیکھا۔

شازیہ نے لرزتے ہاتھوں سے کاغذات پر سائن کر دیئے اور لٹے ہوئے جواری کی طرح دونوں خاموشی سے گھر واپس لوٹ آئے..... شازیہ بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی لیکن راحیل نے جلد سونے کی کوشش کی اور شازیہ کو بات کرنے کا موقع ہی نہ دیا۔تمام رات تنہا شازیہ سوچ کے تانے بانے بُنتی رہی اس نے فیصلہ کر لیا کہ صبح ہوتے ہی راحیل سے کھل کر بات کرے گی..... یہ کیسا کاروبار ہے۔کیا حالات ہیں۔لیکن ان دیکھے اندیشوں سے شازیہ کو ایک خوف ضرور محسوس ہو رہا تھا۔ان ہی سوچوں میں گم رات کے پچھلے پہر نیند کی آغوش نے اسے بے خوف کر دیا۔

اگلی صبح دھڑ دھڑ دروازہ پیٹنے کی آواز سے شازیہ کی آنکھ کھل گئی۔دروازے کی گھنٹی پر بھی کسی نے مسلسل ہاتھ رکھا ہوا تھا اور دروازہ بھی لگاتار پیٹا جا رہا تھا راحیل ہڑبڑا کر بستر سے اٹھا اس سے پہلے کہ شازیہ حالات کا اندازہ لگا سکتی راحیل نے کھڑکی سے چھلانگ لگائی اور آناً فاناً غائب ہو گیا۔

دروازہ ٹوٹنے کے قریب تھا۔شور سن کر خرم اور فائزہ بھی اپنے کمروں سے نکل آئے۔خوفزدہ انداز میں تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا جیسے فیصلہ نہ کر پا رہے ہوں کہ ہمیں ذ دروازہ کھولنا چاہیے یا نہیں۔

''ہمیں پولیس کو فون کرنا چاہیے۔'' خرم نے کہا

''نہیں رُک جاؤ .....'' شازیہ کی چھٹی حس نے اُسے بیدار کیا۔راحیل کا یوں چوروں کی طرح فرار ہونا۔راتوں کو

چھپ چھپ کر گھر آنا۔ کہیں کوئی گڑبڑ ہے۔ ''خرم دروازہ کھول دو۔'' شازیہ کے حکم پر خرم نے دروازہ کھول دیا۔

''کہاں ہے وہ بدکار انسان۔'' آنکھوں میں خون بھرے تین ہٹے کٹے لوگ اندر گھُس آئے۔ ہماری اطلاع کے مطابق اسے یہیں ہونا چاہیے۔ ایک شخص نے پستول نکال لیا۔

''بھائی آپ سب کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔'' شازیہ نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

''اُس لٹیرے سے اپنا مال واپس لینے آئے ہیں اور آج اگر وہ ہمارے ہاتھ نہ لگا تو اُس کی بیٹی کو اٹھا کر لے جائیں گے۔'' انہوں نے فائزہ کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔

فائزہ نے چیخ ماری اور شازیہ اُس سے لپٹ گئی۔ خرم نے بڑھ کر اُس شخص کا گریبان پکڑ لیا جس نے اُس کی بہن کا بازو کھینچا تھا۔ دونوں یوں دست وگریباں ہوئے کہ پستول سے نکلی گولی نے خرم کو پل بھر میں خون میں نہلا دیا..... خرم کے گرتے ہی تینوں آدمی پلٹے اور جاتے ہوئے یہ کہہ گئے کہ یہ صرف ٹریلر تھا اگر اس بدذات نے ہمارا پیسہ واپس نہ کیا تو اس سے بھی زیادہ ہوسکتا ہے۔

کس طرح دونوں عورتیں اس آفت سے نپٹیں۔ یہ ان کا خدا ہی جانتا ہے۔ خرم کو ایک ٹانگ سے محروم ہونا پڑا۔

اور اب تو یہ روز کا معمول بن گیا تھا آئے دن کوئی نہ کوئی ہنگامہ کرنے ان کی دہلیز پر موجود ہوتا۔

راحیل کئی کئی دن اب گھر کا رُخ نہ کرتا اور کبھی رات کو چوروں کی طرح آتا بھی تو ایک دیوانے کی سی کیفیت ہوتی ساری جمع پونجی لوگوں کا قرض ادا کرنے میں خرچ ہو رہی تھی۔ گھر کا سامان بیچ کر دو وقت کھانے کا انتظام کرتے۔ گھر کے در و دیوار سے وحشت اور ویرانی ٹپک رہی تھی۔ انسانوں سے زیادہ یہ گھر جنوں اور بھوتوں کا مسکن لگتا تھا۔

شازیہ کو اب خود پر بھی غصہ آنے لگا تھا۔ نجانے کب سے راحیل سودی کاروبار کر رہا تھا اور وہ کیسی رغبت سے حرام رزق کھاتی رہی اور اپنے بچوں کو بھی کھلاتی رہی۔ اُسے اپنے وجود سے کراہت محسوس ہونے لگی تھی..... کیا بیوی ہونے کی حیثیت سے اُس کا فرض نہیں تھا کہ وہ خبر رکھتی یہ بے تحاشا مال کہاں سے آتا ہے؟..... تب تو ہوٹلوں میں عیاشی کرتے ہوئے۔ نت نئے ڈیزائن کے ملبوسات پہنتے ہوئے اس نے کبھی راحیل سے یہ پوچھنے کی زحمت نہ کی..... کبھی بچوں کو عیش کراتے ہوئے راحیل کے ہاتھ روکنے کی کوشش نہ کی۔ وہ بھی تو اتنی ہی مجرم ہے۔

راحیل نے یہ سب اُن کی خاطر ہی تو کیا کہ خاندان میں اس کے بیوی بچوں کی واہ واہ ہو۔ بے شک ہم ہی اس آزمائش کا باعث ہیں۔ شازیہ کے احساس جرم میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اُس نے اسکول کی نوکری چھوڑ دی تھی۔ خاندان والوں سے میل ملاقات ختم کر دی تھی۔

اب سکونِ دل کا صرف ایک ہی ذریعہ تھا کہ وہ قرآن پڑھتی رہے اور رو رو کر اللہ سے معافی مانگتی رہے..... قرآن کی تلاوت کرتے کرتے اس کی نظریں ٹھہر گئیں ایک آیت کے ترجمے پر۔

''جو لوگ سود کھاتے ہیں اُن کا حال اُس شخص کا سا ہوتا ہے جیسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو۔'' (البقرہ)

شازیہ کی نظروں میں راحیل کی تصویر گھوم گئی بالکل ایسا ہی پاگل تو وہ لگتا تھا جسے شیطان نے چھولیا ہو۔

روتے روتے شازیہ کی ہچکی بندھ گئی اور وہ وہیں سجدہ ریز ہوگئی ۔ واقعی انہوں نے سودی کاروبار کر کے اللہ ہی سے تو جنگ کی تھی ۔سود کے نشے نے اُن سے حرام اور حلال کی تمیز چھین لی تھی ۔ یا اللہ ۔ یا غفورالرحیم تیری رحمت سے تو کافر مایوس ہوتے ہیں ۔ہم گناہ گار ہیں کافر تو نہیں ہیں ۔اگر ہمیں توبہ کی توفیق دی ہے تو پھر ہماری توبہ قبول بھی فرما۔سجدے میں کافی دیر رونے کے بعد شازیہ کا دل ہلکا ہوا تو اُس نے دوبارہ وہیں سے قرآن پڑھنا شروع کیا۔

''جس شخص کو اُس کے رب کی طرف سے نصیحت پہنچے اور آئندہ کیلئے سودخوری سے باز آجائے تو جو کچھ وہ پہلے کھا چکا سو کھا چکا اسکا معاملہ اللہ کے حوالے ہے(سورۃ البقرہ)

شازیہ نے بالآخر فیصلہ کرلیا۔گھر کی تمام دستاویزات تیار کر کے اُس نے سائن کئے اور لفافہ اُن کے ہاتھ میں تھما دیا۔

صرف دو دن میں گھر کو خالی کر دیں۔ بے رحمی سے کاغذات وصول کرنے والے نے کہا۔

دو دن اور رات شازیہ کی نظریں کھڑکی پر رہیں کہ شاید وہ یہاں آجائے لیکن تیسرے دن تینوں نے گھر کے خالی در و دیوار پر حسرت سے نظر ڈالی اور گھر کا دروازہ بند کر دیا۔ بوجھل قدموں سے شازیہ خرم کو سہارا دیئے ہوئے پورچ میں آئی تو لان میں سفیدے کے درخت کے نیچے ایک دیوانہ آنکھوں میں وحشت اور ویرانی لئے گم سم بیٹھا تھا۔

خرم نے نفرت سے منہ پھیر لیا اور شازیہ کو چلنے کے لئے کہا۔

نہیں خرم.....اسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہے۔ ہمیں اسے شیطان سے واپس لانا ہے ۔شازیہ نے نرمی سے راحیل کا ہاتھ تھاما اور وہ دیوانہ بھی آہستہ آہستہ ان کے ساتھ چلنے لگا۔

☆☆☆

ڈاکٹر ممتاز عمر

مشکل تو نہیں!

عبد الرحیم صاحب کافی دنوں کے بعد ملنے کے لئے آئے، سلام دعا کے بعد میں نے پوچھا، کیا بات ہے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا؟ پہلے تو ہفتے میں ایک دو بار ملاقات ہو جاتی تھی اب کئی ماہ بعد آئے ہیں۔ بولے! وہ گھر میں بٹیا اکیلی ہوتی ہے ۔میں نے حیران ہوکر پوچھا! آپ کی تو ایک ہی بیٹی عائشہ ہے جو بیاہ کر کسی دوسرے شہر گئی تھی، کب آئی، کتنے عرصے سے رہ رہی ہیں، خیر تو ہے؟ بولے! آپ بٹیا سے بلا وجہ مغالطہ کھا گئے میری مراد طاہر کی بیوی سے ہے۔ بہو بھی تو بیٹی ہوتی ہے اور اب وہ ہماری بیٹی ہے، اُسی کے بارے میں کہہ رہا تھا۔ طاہر میاں تو صبح جاتے ہیں تو سورج ڈھلے ہی گھر میں داخل ہو پاتے ہیں۔ بٹیا اکیلی ہوتی ہے۔ میں صبح سبزی، گوشت یا دیگر اشیا لا کر دے دیتا ہوں، پھر اخبار کا مطالعہ، نمازِ ظہر کے بعد کچھ آرام، عصر کے بعد چائے وغیرہ سے فارغ ہوتے ہیں۔ بعد از مغرب اجتماعات اور تربیتی نشستوں میں چلا جاتا ہوں۔ کبھی میں گھر پر ہوتا ہوں تو طاہر میاں بٹیا کو لے کر سسرال یا کسی اور رشتہ دار کے ہاں چلے جاتے ہیں۔ تو بھئی یہ مصروفیت ہے اب آپ ہی بتائیں کہاں سے وقت نکلے؟

اتنی لمبی تمہید سننے کے بعد میں نے کہا! تو بیٹے کی شادی کے بعد آپ کی ذمہ داریاں کافی بڑھ گئیں اور اب کافی عرصے بعد آپ کو گھر گرہستی کا اندازہ دوبارہ سے ہونے لگا ہوگا۔ کیونکہ آپ کی اہلیہ کے انتقال کے بعد کئی سال تک آپ اکیلے ہو گئے تھے۔ یوں وقت گزاری کے لئے احباب کے پاس آنا جانا رہتا تھا۔

پھر میں نے پوچھا! بہو سے کیسی نبھ رہی ہے؟ بولے، خوب اچھی گزر رہی ہے۔ جب بیٹی کہا ہے تو باپ بن کر اس کا خیال رکھتے ہیں۔ ابھی پچھلے ہفتے کی بات ہے صبح کو کچھ پریشان تھی۔ میں نے پوچھا کیا بات ہے؟ بولی سر میں درد ہے ذرا تیل لگاؤں تو کچھ آرام ملے۔ میں نے کہا! تم بیٹھو میں لگائے دیتا ہوں۔ بولی! آپ ..... میرے تیل لگائیں گے یعنی میں بڑوں سے خدمت لوں ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ میں نے کہا بٹیا اگر تمہاری خوش دامن ہوتیں تو اس وقت وہ تمہاری مدد کرتیں۔ اب وہ نہیں تو ان کی ذمہ داری بھی مجھے پوری کرنی ہو گی اور اس میں تکلف کی کیا بات ہے۔ یوں میں نے بٹیا کے بالوں میں تیل لگایا۔ سر میں مالش کی، جس سے درد جاتا رہا اور وہ ہشاش بشاش ہوگئی۔

مجھے عبد الرحیم صاحب کے اس مشفقانہ انداز پر کچھ حیرت تو ہوئی مگر پھر میں نے پوچھا آپ کی سخت مزاجی اور اُصول پسندی کا کیا حال ہے۔ خاص طور پر وقت کی پابندی کی عادت سے طاہر کی بیگم یعنی آپ کی بٹیا پریشان تو نہیں ہوتیں؟

جس پر وہ بولے بظاہر یہ سخت مزاجی ہے مگر حقیقتِ حال کچھ ایسی تو نہیں ۔ کیونکہ میں صاف گو ہوں اور سیدھی بات پسند کرتا ہوں کہیں آنے جانے پر روک ٹوک نہیں ، بس یہ چاہتا ہوں واپس آنے کا جو وقت بتا رہے ہیں اسے کما حقہ پورا کریں اگر ٹریفک جام یا کسی دوسری پریشانی سے دوچار ہوں تو موبائل پر بتا دیں تا کہ مجھے تسلی ہو جائے ۔ دیکھیں نا جب مقررہ وقت تک وہ دونوں نہیں پہنچتے تو میں بے چین ہو جاتا ہوں اور طرح طرح کے خیالات اور وسوسوں میں گھر کر بلڈ پریشر بڑھا لیتا ہوں ۔ اگر یہی سختی ہے تو بھئی اللہ مجھے معاف کرے ۔ رہی لوگوں کی بات تو پابندی وقت ان کے نزدیک کسی اہمیت کی متقاضی نہیں ۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ سسرال میں دعوت ہو اور بٹیا یہ بتا کر جاتی ہیں کہ ہم ساڑھے گیارہ بجے تک آ جائیں گے وہ وقتِ مقررہ پر واپس آتی ہیں مگر ان کے ہاتھ میں کھانے کا شاپر ہوتا ہے ۔ گھر آ کر وہ دسترخوان پر کھانا چنتی ہیں خود بھی تناول کرتی ہیں اور ہمیں بھی با اصرار ایک دو لقمے کھانے پر مجبور کرتی ہیں حالانکہ میں عشاء سے قبل کھانے سے فارغ ہو جاتا ہوں ۔ کھانا کھاتے ہوئے بتاتی ہیں کہ دیگر مہمان تو پہنچے نہیں ۔ میں نے امی سے کہا ! اچھا تو میں چلتی ہوں کیونکہ ابا جی پریشان ہوں گے ۔ یوں انہوں نے کھانا باندھ دیا تھا ۔ نکلتے وقت آپا جی اور دولہا بھائی گھر میں داخل ہوتے ہوئے یہی شکوہ کر رہے تھے ہم آئے نہیں اور تم چل دیں ۔ بٹیا کی یہ باتیں سنتے ہوئے مجھے تو حیرت ہوتی ہے کہ لوگ کس وقت آنا ، کتنی تاخیر سے کھانا اور دیر گئے سونے کی عادی ہوتے جا رہے ہیں ۔ بھئی میں تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ بٹیا نے میرے مزاج کو سمجھ لیا اور اطاعت و فرمانبرداری کا پیکر خوش باش رہتی ہیں ۔ میں نے کہا مگر عبدالرحیم صاحب گُر بہ کشتم روزِ اول والی بات ہے ، بے چاری کے دل میں خوف بیٹھ گیا ہے ۔ جس پر ہم دونوں خوب دیر تک ہنستے رہے ۔

اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ گزشتہ سال نومبر میں طاہر کی شادی طے ہوئی تو عبدالرحیم صاحب مجھے بھی شادی میں شرکت کے لئے مدعو کرنے آئے جسے میں نے بخوشی قبول کر لیا ۔ عبدالرحیم صاحب جب دن تاریخ اور دیگر امور طے کر رہے تھے تو انہوں نے لڑکی والوں سے بارات لانے کا وقت پوچھا ۔ جس پر طاہر کے سسر نے کہا آپ عشاء کی نماز ہمارے گھر کی قریبی مسجد میں ادا کریں ۔ جس کے بعد نکاح اور دیگر رسومات سے فارغ ہو کر رخصتی ہو جائے گی ۔ یہ بالکل مناسب بات تھی کیونکہ موسم خنک ہو چلا تھا اور جتنی دیر اور ہوتی ٹھنڈ بڑھتی جاتی تھی ۔ اصول پسند عبدالرحیم صاحب نے تمام اہل خانہ کو شام ہی سے بروقت روانگی کے لئے تیار کیا یوں مغرب کے بعد بارات روانہ ہوئی اور جوں ہی دلہن والوں کے گھر پہنچی موذن نے عشاء کی نماز کی ادائیگی کے لئے پکارا ۔ تمام مرد مسجد کی طرف چل دیئے نماز ادا کر کے پونے آٹھ بجے کے قریب واپس پنڈال میں آ بیٹھے ۔ عبدالرحیم صاحب نے طاہر کے سسر سے کہا ، نکاح کرائیے ۔ وہ بولے ! نصف گھنٹہ ٹھہر جائیے ۔ وہ خاموش بیٹھ رہے ۔ سوا آٹھ بجے کے قریب انہوں نے دوبارہ یاددہانی کرائی تو پھر یہی جواب ملا کہ آدھا گھنٹہ اور ٹھہریئے ۔ پونے نو بجے کے قریب عبدالرحیم صاحب نے طاہر کے سسر سے پھر پوچھا تو وہ ذرا ترشی سے گویا ہوئے !

ارے صاحب آپ بار بار ٹوک کر شرمندہ کرتے ہیں ،لڑکی بیوٹی پارلر گئی ہے جب آئے گی نکاح کی رسم ادا ہو جائے گی ۔ آپ بار بار توجہ دلا کر شرمندہ کر رہے ہیں ۔ یہ سن کر وہ ایک طرف بیٹھ رہے پھر اسٹیج پر گئے طاہر سے کچھ بات کی اور اس کے بعد نظر نہ آئے ۔

رات کے دس بجے نکاح کی رسم شروع ہوئی تو طاہر کے سسر عبدالرحیم صاحب کو نہ پا کر طاہر سے بولے ! تمہارے ابا کہاں ہیں ؟ طاہر نے جواب دیا وہ تو گھنٹہ بھر پہلے گھر جا چکے ۔ ارے بھئی انہیں بلاؤ ۔ بلا وجہ ناراض ہو کر چلے گئے ۔ ذرا فون نمبر تو بتانا ۔ طاہر نے نمبر بتانے کی بجائے آہستگی سے کہا ! آپ نکاح اور دیگر رسومات پوری کیجئے کیونکہ ابا جی تو اب تک کھانا کھا کر سونے کے لئے لیٹ چکے ہوں گے اور ہاں اگر آپ نے انہیں بلانے پر اصرار کیا تو ممکن ہے وہ مجھے واپس آنے کا حکم دے دیں جس کے بعد اطاعت کے سوا میرے سامنے کوئی راستہ نہ ہوگا ۔

اگلے روز صبح دس گیارہ بجے کے قریب طاہر کے سسرال سے چند لڑکیاں ناشتہ لے کر آئیں وہ جس کمرے سے گزر کر دلہن کے کمرے کی طرف جا رہی تھیں وہیں عبدالرحیم صاحب بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے ۔ لڑکیوں نے بڑے احترام سے سلام کیا ۔ جس پر انہوں نے ''وعلیکم السلام'' کہا ۔ ایک لڑکی بولی ! خالو آپ رات ناراض ہو کر جلدی چلے آئے ۔ جس پر وہ بولے ! نہیں بیٹا اس میں ناراضگی کی تو کوئی بات نہ تھی ۔ ہاں ! ہمارے ساتھ زیادتی ہوئی تھی جس کا بڑا قلق ہے ۔ کیونکہ دن تاریخ کے موقع پر وقت آپ کے والد نے مقرر کیا تھا میں نے تو محض اس کی پابندی کی جس کی یہ سزا مجھے ملی ۔ وہ اگر رات دس بجے بارات لانے کو کہتے تو مجھے اس پر کار بند پاتے ۔ خیر کوئی بات نہیں ۔ میرا خیال تھا کہ ایک وقت کا کھانا طاہر کے نکاح کے بعد مل جائے گا سو وہ میرے مقدر میں نہ تھا ۔ ہاں ! یہ بات سنتی جاؤ اپنے ابا سے کہنا کہ ولیمے میں شرکت کے لئے آٹھ بجے سے پہلے شادی ہال پہنچ جائیں اگر راستے میں تاخیر ہونے لگے تو مجھے فون پر بتا دیں ورنہ آٹھ بجے میں کھانا شروع کروا دوں گا ۔

دعوتِ ولیمہ والے دن عبدالرحیم صاحب نے شام پانچ بجے مجھے فون پر پابند کیا کہ نمازِ عشاء کی ادائیگی شادی ہال کے قریب کروں تا کہ بروقت شریک ہو سکوں اور ہاں چند منٹ کی گفتگو شادی اور وقت کی اہمیت کے موضوع پر بھی رکھنی ہے ۔ نمازِ عشاء کی ادائیگی کے بعد جب میں ہال میں داخل ہوا تو مجھے اندازہ ہوا کہ تمام مہمان آ چکے ہیں اسی دوران عبدالرحیم صاحب مجھے لئے اسٹیج پر پہنچے ، حاضرین کو خوش آمدید کہا اور دعوتِ ولیمہ میں شرکت کے لئے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے مجھے گفتگو کرنے کا حکم دیا ۔ جس کے بعد دعا ہوئی اور پھر کھانا شروع ہو گیا ۔

میں نے اپنی گھڑی میں دیکھا اس وقت آٹھ بج کر پانچ منٹ ہو رہے تھے اور مہمان کھانا تناول فرما رہے تھے ۔

☆☆☆

گھر واپس جب آؤ گے تو!

جن دنوں مرحوم الطاف گوہر، بھٹو مرحوم کی متشددخواہش پر لندن میں جلاوطنی گزار رہے تھے، ان دنوں انہوں نے ایک نظم لکھی تھی۔ میں نے یہ نظم بہت سال پہلے ان کی یادداشتوں پر مبنی کتاب ''تحریریں چند'' میں پڑھی تھی۔ مجھے اس نظم کے اندر پائے جانے والے ناسٹلجیا کا لطف اٹھانے کے لئے اپنی زمین چھوڑنا پڑی۔ دمِ رخصت مجھے یہی نظم یاد آئی:

گھر واپس جب آؤ گے تو کون تمہیں پہچانے گا
کون کہے گا تم بن ساجن یہ نگری سنسان

سوچا، شاعر زیادہ حساس ہوتا ہے اور پھر مبالغہ بھی تو شاعری کا جزو لاینفک ہے۔ ورنہ جن لوگوں کے ساتھ پاؤں پاؤں چل کر انسان زندگی میں چلنا سیکھتا ہے وہی تو اس کی کمائی ہوتے ہیں۔ یار نگار وہ سنگی ساتھ کیسے بدل سکتے ہیں۔ ان کی محبتیں تو سانجھی ہوتی ہیں..... میں نے اپنے اردگرد اپنوں کو جی بھر کر پیار سے دیکھا اور جہاز پر سوار ہونے سے پہلے میری نظروں نے سب بھیگی نظروں کو پیغام دیا..... مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا۔ سب رو رہے تھے۔ میں اداس مگر میری اداسی انجان منزلوں کے تجسس میں کہیں خلط ملط ہو رہی تھی۔

اس کے بعد کئی سال تک یہ صورت رہی کہ میری آمد پر شہر بھر میں نہیں تو محلے بھر میں ایک جشن کا سماں ہوتا۔ ایک دوست فون کر کے پوچھتا..... کب آ رہا ہے، دوسرا فلائٹ کا نمبر پوچھتا۔ تیسرا گاڑی لے کر آ جاتا۔ گھر کے سارے جی اور دوست..... سنگی ساتھی..... جیسے ہی جہاز ائیر پورٹ پر رکتا۔ جنگلے کے پار کھڑے متلاشی نظروں سے جہاز کی طرف دیکھتے ..... میں یہ سارے مناظر جہاز کی کھڑکی سے دیکھ کر مسرور ہوتا .....ان دنوں لاہور ائیر پورٹ کے رن وے کے گرد لگی ہوئی آہنی باڑھ تک استقبالیوں کی رسائی ہوتی تھی۔

گھر آتے ہی سوٹ کیس کھل جاتے ..... پرفیوم، پتلونیں، جیکٹیں، دوپٹے، مردانہ اور زنانہ سوٹ، ٹیپ ریکارڈر، کلائی کی گھڑیاں، درہموں کی خوشبو..... سب میرے سوٹ کیس اور جیبوں سے نکل کر میرے گرد رقص کرنے لگتے۔ دوست رشتہ دار سال بھر میری آمد کا انتظار کرتے کہ آئے گا تو ہماری بیٹی کے رشتے کے لئے ہمارے انتخاب پر مہر ثبت کرے گا۔ کسی کو اپنے بیٹے کی تعلیم کے لئے میرے مشورے کی شدید ضرورت درکار ہوتی۔ میں ان محدود دِنوں میں لوگوں کے معاملات نپٹانے اور مرے ہوؤں کی فاتحہ اور جئے ہوؤں کی مبارکبادیں دیتا ہوا آنسوؤں کی لڑیوں اور آہوں کی جھڑیوں میں رخصت ہوتا..... پھر، اگلے سال آنے کے لئے ..... تحفے تحائف لانے کے لئے۔ میں نے اس بار اس کے سامنے سوٹ کیس رکھتے ہوئے کہا:

نئے شالے دوشالے دیکھ لینا

یہ جھومر اور جھالے دیکھ لینا
تحائف جب نرالے دیکھ لینا
پھر ان ہاتھوں کے چھالے دیکھ لینا

یہ سنتے ہی اس نے میرے ہاتھوں کو دیکھا اور بولی:

''تو اب تم جھوٹ بھی بولنے لگے ہو۔ وہاں ائیر کنڈیشنوں میں رہتے ہو۔ قالینوں والے کمروں میں رہتے ہو۔ ٹھنڈی گاڑیوں میں گھومتے ہو۔ ہمیں دیکھو کس عذاب میں رہتے ہیں۔ نہ پانی، نہ بجلی! بس بل دل جلاتے رہتے ہیں..... خوش قسمت ہو! پردیس میں رہتے ہو، نہ کھانے کی نہ پہننے کی فکر، جو چاہتے ہو فون کر کے منگوا لیتے ہو، کھا لیتے ہو۔ ہمیں دیکھو! پیزا، منگوانا ہو تو فون کر کے تھک جاتے ہیں۔ خدا خدا کر کے اگر پیزا آ جائے تو ٹھنڈا ٹھار.....فریج سے نکلا ہوا.....کوئی ایک مصیبت ہے یہاں.....!''

الطاف گوہر نے کہا تھا۔

گھر واپس جب آؤ گے
تو کیا دیکھو، کیا پاؤ گے
یار نگار وہ سنگی ساتھی
مدھ بھریاں تھیں اکھیاں
جن کی باتیں پھلجھڑیاں
بجھ گئے سارے لوگ وہ پیارے
رہ گئیں بس کچھ لڑیاں
تم بن ساجن، تم بن ساجن!
یہ نگری سنسان!

میں اکثر سوچا کرتا۔ ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔ یہ لوگ جو سال بھر میرا انتظار کرتے ہیں۔ مجھے کیسے پہچاننے سے انکار کر سکتے ہیں۔

مگر الطاف گوہر.....ایک دانشور، ایک جہاں دیدہ۔ پاکستان کے اعلیٰ ادارے کا افسر اعلیٰ.....اتنی زندگی جس نے دیس میں بڑے بڑے عہدوں پر گزار دی.....وہ، اس کا تجزیہ غلط کیسے ہوسکتا ہے.....! ہوسکتا ہے اس کا تجربہ ہو! تجربہ تو ہر کسی کا اپنا ہوتا ہے.....پھر اپنے آپ کو سمجھانے کیلئے سوچتا اور قرار دیتا کہ الطاف گوہر ایک شاعر بھی تو ہے.....شاعر ضرورت سے کچھ زیادہ ہی حساس ہوتا ہے، اور پھر غلو نہیں تو کم از کم مبالغہ تو شاعری کا اہم اوزار ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ شاعر کا مبالغہ ہو، اس کا تجزیہ یا تجربہ نہ ہو۔ میں اپنے آپ کو تسلی دیتا مگر اس کے بعد اس کی نظم کا اگلا بند سامنے آ جاتا:

پھول ببول بگولے دیکھو
ایک گریزاں موج کی خاطر
صحرا صحرا پھرتے ہیں
تم بھی پھرو درویش صفت اب
رقصاں رقصاں، حیراں حیراں
لوٹ کے اب جو آؤ گے
تو کیا پاؤ گے؟

اور کیا پایا.....؟ جو پایا، بقول ابن انشاء

سب ڈھلتی پھرتی چھایا ہے
سب مایا ہے، سب مایا ہے

سلطان باہو نے کہا تھا:

شالا مسافر کوئی نہ تھیوے، ککھ جنہاں تھیں بھارے ہُو

تاڑی مار اُڈا نہ باہُو، اسی آپے ای اُڈن ہارے ہُو

اللہ والا بغیر کسی فل سٹاپ کے بولتا چلا جا رہا تھا۔ ذرا سانس لینے کو رکا۔ تو میں نے ٹوکا .....تم کہنا کیا چاہتے ہو..... اور اس ساری تقریر کا مقصد؟ یہ تو ہر دوسرے پردیسی کا قصہ ہے .....گھر گھر بشیرا ہے.....!

اللہ والے نے میری کہی اَن سنی کرتے ہوئے اپنی بات اسی لَے میں جاری رکھی:

''تو صاحب! دن بلکہ سال یونہی گزرتے رہے۔ میں جو تین سال کی سرکار سے چھٹی لے کر مکان بنانے کی آرزو اور ارادہ لے کر یہاں آیا تھا، یہاں کی فضا نے وہ پلٹا مارا کہ میرا ناسٹلجیا چاروں شانے چت ہو کر گرا، اور اس کے سینے پر ایک ضرورتوں کا پہاڑ چڑھ کر بیٹھ گیا۔ خط آتے رہے، جواب میں چیک جاتے رہے۔ فون ان دنوں بہت مہنگا تھا۔ خطوں اور چٹھیوں ہی پر گزارا تھا۔ خطوں میں رشتوں کی خوشبو مہکا کرتی تھی۔ اُنہی دنوں، ہندی فلم ''نام'' آئی، اس کا گانا:

چٹھی آئی ہے، وطن سے چٹھی آئی ہے

فلم کے اس منظر کو دیکھ کر اور گانا سن کر لوگ فلم دیکھتے ہوئے دھاڑیں مار مار کر روئے۔ نجانے کتنے پنچھی پنجرہ توڑ کر وطن کو اُڑ گئے۔ بہر حال اُن دنوں چٹھی ہی آدھی ملاقات کا واحد ذریعہ تھی مگر اب برق رفتار، ترسیلی ذرائع نے تو چیک کا تکلف اٹھانے سے بھی نجات دلا دی ہے۔ فون پر بات کر کے پردیس میں اپنوں کی آواز سن کر تشفی ہو جاتی ہے، اُدھر وطن والوں کو بھی تسلی ہو جاتی ہے کہ تاکید کر دی ہے، پیسے جلد ہی پہنچ جائیں گے .....اور اللہ اللہ خیر صلا!!

اُن دنوں پاکستانی اخبار بھی یہاں کئی دنوں بعد پہنچتا تھا۔ ہم سب باری باری یہ اخبار تبرکاً پڑھا کرتے تھے۔ اُن دنوں اس کے اردو رسم الخط میں لکھے ہوئے لفظوں سے وطن کی مٹی کی خوشبو آیا کرتی تھی۔ انہی دنوں ''گفتگو'' کے عنوان سے ہفتہ وار ، واصف علی واصف (اُن دنوں شاید انہوں نے نیا نیا لکھنا شروع کیا تھا۔ ہم میں سے کوئی اس سے پہلے انہیں نہیں جانتا تھا نہ ہی ان کے بارے میں کسی کو کچھ پتہ تھا) کے مضامین، اخبار میں، ہم باقاعدگی سے پڑھتے تھے۔ ہجرت پر لکھے گئے ان کے مضمون ہمیں بہت رلاتے تھے۔ ان کے جملے، مجھے یوں لگتا تھا، جیسے انہوں نے میرے اندر سے اکٹھے کئے ہیں۔ میں نے جب پڑھا کہ.....انسان غربت کا نوالہ نہیں کھاتا، جدائی کا زہر پی لیتا ہے، تو میں سسک سسک کر رویا تھا اور ان کے اس جملے نے تو مجھے توڑ کر رکھ دیا تھا.....''جی چاہا کرتا تھا کہ اُڑ کر وطن پہنچ جاؤں۔ میں نے پردیس میں پندرہ سال اسی آس انتظار اور اسی امید پر گزار دیئے کہ کب ذمہ داریوں کا یہ لا متناہی سلسلہ ختم ہو، اور ہمیں دیس جانے پر مجبور کر دیا جائے .....!''

میں نے پھر اسے ٹوکا:

''اللہ والے کوئی نئی بات کرو!''

اللہ والے نے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلی سے آنکھ کے کونے سے نمی پونچھتے ہوئے کہا:

''نئے پرانے کی بات نہیں ..... جب شاخوں پہ نئے پھول کھلتے ہیں تو پرانے زخم یاد آ جاتے ہیں۔''

''کیا بات ہے؟ آج شاعر شاعر سے لگ رہے ہو!''

میں نے مذاقاً کہا۔ اللہ والا میرے مذاق کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا:

''یعقوب تصور نے کہا:

عمر ہماری صحراؤں میں ریت ہوئی
گھر والوں نے تاج محل تعمیر کیا

میں نے کہا یعقوب محمد تصور! تم نے خدا کی قسم خوش قسمت لوگوں کی بات کی ہے، جن کے گھر والوں نے تاج محل تو تعمیر کرلیا۔ ورنہ عام طور پر گھر والی اپنے گھر والے کی کمائی کو اپنی ماں کے گھر والوں پر خرچ کر کے اور اولاد اپنے باپ کی کمائی کو موبائلوں اور موٹروں کی خریداری پر اڑا دیتی ہے۔ یہاں اکثر یہ کہانیاں سننے کو ملتی ہیں..... میں نے جو بھی بھیجا میری بیوی نے میری اولاد پر لگانے کی بجائے اپنے بھائی کو پڑھانے لکھانے اور اپنی بہن کی شادی پر لگا دیا۔ کیونکہ اسے پتہ ہے کہ اولاد تو مرد کی ہوتی ہے۔ اسلام نے یہی کہا ہے کہ اولاد باپ کی ہوتی ہے ماں تو صرف رکھوالی ہوتی ہے۔ وہ چاہے تو اولاد کی پرورش کا خاوند سے معاوضہ طلب کرسکتی ہے۔ میری بیوی نے آج تک مجھ سے طلب کیا اولاد کے لئے..... اولاد کی پرورش کا معاوضہ کبھی طلب نہیں کیا۔ اسی لئے اس نے اولاد کی تربیت بھی نہیں کی اس نے میری اولاد کے بجائے اپنے والدین کا ہاتھ بٹایا۔ اولاد پر ماں باپ کی خدمت واجب ہے۔ خاص طور پر جب خاوند بھی سر پر نہ ہو، اس کی کوئی ذمہ داری بھی نہ ہو۔

اب میری بیٹی جوان ہے۔ کیا کروں، اب روتی ہے، جن پر میرا کمایا لگایا، وہ اب بات نہیں پوچھتے۔ وہ بہن جس کی شادی کی تھی اپنے میاں کے ساتھ خوش باش ہے۔ اس کا خیال ہے کہ اس کی بہن اس کا گھر نہیں بسنے دیتی اس لئے پچھلے سال سے اسے اپنی اس بہن کی یاد نہیں آتی جس نے اس کا گھر بنایا تھا، بسایا تھا۔ بھائی ماشاءاللہ کافی پڑھ لکھ گیا ہے، اس کی شادی بھی ہوگئی ہے۔ اس کی بیوی اپنی نند کو سخت ناپسند کرتی ہے۔ اس نے اپنے خاوند سے کہہ رکھا ہے کہ باجی کو دھونس جمانے کی عادت ہے اور وہ میرے خاوند یعنی اپنے بھائی کو اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتی ہے اس لئے وہ بھی اپنی بہن سے ملنے نہیں آتا۔ اس کا بھی یہی خیال ہے کہ اگر باجی کے ہاں آنا جانا رہا تو اس کا گھر نہیں رہے گا۔ ویسے بھی اس کے اپنے بچے ہیں، اپنے بچوں کی ضرورتیں پوری کرے یا میری بیٹی کی شادی کا سامان کرے۔ اب میری بیوی کہتی ہے، اپنے بچوں سے آگے کون ہوسکتا ہے۔ میں کہتا ہوں تمہارے بہن بھائی..... اس پر گھر میں خوب لڑائی ہوتی ہے..... میں گھبرا کر باہر چلا جاتا ہوں..... بمشکل تمام چھٹی کے دن کٹتے ہیں اور ابوظہبی کے ائیر پورٹ پر آ کر سکھ کا سانس لیتا ہوں۔ پہلے کوئی مجھے رخصت کرنے آجاتا تھا مگر اب میرے بیٹے کو اپنے دوست سے ملنا ہوتا ہے۔ بیٹی کے لئے ٹی وی چینل نے کسی سوپ کی اگلی قسط کا اہتمام کر رکھا ہے۔ اس کا اس وقت مجھے ائیر پورٹ پر چھوڑنے جانا محال ہے اور پھر گاڑی بھی تو میرا بیٹا لے کر گیا ہوا ہے۔ سخت گرمی میں ٹیکسی پر کون سفر کرے۔ بیوی کہتی ہے:

''اسی لئے تو کہتی ہوں ایک اور گاڑی لے دو۔ اب ایک گاڑی سے گزارا نہیں۔''

دونوں بہن بھائی میں گاڑی پر ہمیشہ ٹھنی رہتی ہے۔ وہ

کہتا ہے مجھے جانا ہے۔ یہ کہتی ہے مجھے سہیلی کی طرف جانا ہے .....دونوں کی آئے دن کی لڑائی سے میں تو ..... ادھر کوئی دوست بھی اس وقت دستیاب نہیں۔ میرے دوستوں کو بہت سے کام ہیں ..... عقلمند کو اشارہ ہی کافی ہے ۔ چنانچہ اب اکثر اکیلا ہی ائیر پورٹ پر آجاتا ہوں۔ اکثر مجھے ائیر پورٹ پر نئے نئے منظر دیکھنے کو ملتے ہیں ۔ میں اکثر دیکھتا ہوں کہ کسی نئے پرندے کو اس کے پیارے رخصت کرنے آئے ہیں۔ اس سال بھی جب میں واپس آرہا تھا تو ایک نوجوان کو ائیر پورٹ پر بہت سے لوگ رخصت کرنے آئے ہوئے تھے۔''

''کیا دیکھتا ہوں.....'' اللہ والے نے بڑے داستان گویانہ انداز میں اس واقعے کی منظر کشی شروع کردی:

''اس جوان لڑکی کی آنکھوں کے آنسو نہیں تھمتے ..... یہ یقیناً اس کی بیوی ہوگی۔ میں نے سوچا ماں بھی رو رہی ہے بہن بھی اور باپ افسردہ اپنے روہانسی صورت میں ادھر اُدھر دیکھ رہا ہے ۔ پرندہ خوش ہے ..... شاید اسے اپنے ہونے کا احساس ہونے لگا ہے..... میں فوراً سمجھ جاتا ہوں ..... یہ پہلی بار جارہا ہے ۔ یقیناً پہلی بار..... مجھے اپنا پہلی بار رخصت ہونا یاد آجاتا ہے ۔ تمہیں پتہ ہے میں بادلِ نخواستہ یہاں آیا تھا..... مکان بنانے کے لئے ..... اپنی بہنوں کی شادیاں کرنے کے لئے ..... میں کھجوروں کے درختوں سے درہم توڑنے آیا تھا۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ یہاں پر کھجور کے چھوٹے چھوٹے ٹھگنے قدوں والے درختوں پر گچھوریں لگتی ہیں.....!''

اللہ والے نے ذرا توقف کیا اور پھر پہلو بدل کر کہاں سے کہاں نکل گیا:

''وہ نوجوان روتی ہوئی بہن کو تسلی دے رہا تھا: 'جھلی اے، بس تین سال کا کنٹریکٹ ہے۔ یوں گزر جائیں گے۔ پھر آکر تمہاری شادی..... ! پھر وہ باپ سے مخاطب ہوکر کہتا ہے۔ شانو کا رشتہ..... کوئی اچھا سا لڑکا دیکھ رکھنا۔ بس میں آتے ہی.....'' میں اس کے تیقن پر حیران بلکہ پریشان ہوتا ہوں۔ مجھے یاد آیا، میری بیوی نے جب مجھے روتے ہوئے کہا تھا کہ .....تمہیں چیزیں بھولنے کی عادت ہے۔ وہاں کون تمہیں یاد دلائے گا کہ تمہاری فلاں چیز کہاں ہے، تو یہ سن کر میں بھی رو دیا تھا۔ تب میرے سالے نے بہن کو ٹوکا تھا۔ اسے خطرہ تھا کہ کہیں میں باہر جانے کا پروگرام آخری لمحے ترک نہ کردوں ، کیونکہ یہ سب جانتے تھے کہ میں بادلِ نخواستہ ترکِ وطن پر آمادہ ہوا تھا..... اب میں تھک گیا ہوں۔ جب بھی اسے کہتا ہوں کہ بھاگوان ! میں وطن آنا چاہتا ہوں تو وہ مجھے میری ذمہ داریاں یاد دلاتی ہے۔ میں نے اس بار اسے پوچھا۔ کیا تمہارا جی نہیں چاہتا کہ میں .....یعنی ہم دونوں اکٹھے رہیں۔ آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی کس بیوی کا جی نہیں چاہتا کہ..... یہ آپ نے کیسے سوچ لیا۔ وہاں پر یہی سوچیں سوچتے رہتے ہیں؟ ادھر میں شرمندہ ہوا، اُدھر اس نے کہانی چلا دی۔ میں تو آپ کے بغیر..... میں وہ گانا سن رہی تھی.....!

بن تیرے رات تو کیا
ہم سے کٹے دن بھی نہیں
مجھے آپ بہت یاد آئے!
مگر.....!''

اللہ والا تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد ائیر پورٹ والے

منظر پر دوبارہ آ گیا:

''سجیلے نوجوان کی تسلیاں جاری رہیں..... میں اسے دیکھتا رہا۔ میرا جی چاہتا ہے کہ اسے بتاؤں.....گھر واپس جب آؤ گے تو.....؟

کاش میرے پاس اس نظم کی سی ڈی ہوتی تو میں اسے دیتا۔ مگر میرے کہنے سے وہ رک جائے گا ؟ کیسے رکے گا ! میں رک گیا تھا ؟ اسے کوئی رکنے دے گا .....اس کی جدائی میں سب سے زیادہ رونے والی ہی کو سب سے زیادہ برا لگے گا ..... ماں باپ کو اپنے بچے بھی تو پالنے ہیں اور پھر پالنے ہی نہیں ، بیاہنے بھی ہیں .....تو کون بیاہے گا .....اسی بڑے بیٹے پر ہی تو تکیہ ہے ..... مجھے اس پر ترس آنے لگا اس ''قربانی کے بیٹے پر'' مجھے یوں لگا جیسے کوئی بھولا بھالا پہلوان بے خبری کے عالم میں مقتل کی طرف جا رہا ہو..... اور پھر پرواز کی روانگی کے اعلان نے تماشائی سے یہ منظر چھین لیا۔ میں جہاز کی طرف .....لاؤنج کی طرف چل پڑا۔ یہ سوچ کر کہ کوئی کسی کے تجربے سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔ بلکہ خود تجربے کی بھٹی میں جل کر کندن ہونا چاہتا ہے.....انسان کتنا ظلم کرتا ہے .....خود پر ، اپنی اولاد پر ، اپنے پیاروں پر ! مجھے پھر واصف علی واصف کا وہ جملہ یاد آیا جس نے پہلے مجھے توڑا تھا اور پھر جوڑا تھا.....انسان غربت کا نوالہ نہیں کھاتا۔ جدائی کا زہر پی لیتا ہے.....!''

اللہ والے کے پاس ابھی کہنے کو بہت کچھ ہے ۔ وہ واصف صاحب کا حافظ ہے ۔مگر میرے پاس اس کی یہ فضول بکواس سننے کے لئے وقت نہیں .....ظاہر ہے،جس بات میں اپنا کوئی مفاد نہ ہو وہ بکواس ہی ہوتی ہے!

(رہبرِ ملت)

☆☆☆

ہم بھی حاضر تھے!

جوایک دفعہ ہوآئے اس کا دل وہیں رہ جاتا ہے۔بات تو دل کی حاضری کی ہے اور جو اس سال جانے والے قافلے کے ساتھ بھی سفر پر روانہ ہو چکا ہے!

مہمان تو وہ بنتا ہے جسے بلاوا نصیب ہو! مگر جب یہ سنا کہ حاضری کا اذن ان کا مقدر ہوگا جنہوں نے اولین پکار پر لبیک کہا تھا۔اپنی خوش قسمتی پر شکر ادا کیا کہ ہم بھی ان نفوس میں شامل ہو چکے ہیں جن کا نام سال عیسوی ۲۰۱۰ء اور ہجری سال ۱۴۳۲ھ کے مہمانوں کی فہرست میں آ گیا۔رب کے در پر حاضری کی خواہش تو ہر مسلمان کے دل میں ہوتی ہے مگر اپنے حالات اور وسائل کو دیکھتے ہوئے انسان ذرا سا قنوطی ہونے لگتا ہے۔اور اسباب کی اس دنیا میں مسبب الاسباب کو بھول بیٹھتا ہے۔

ان ہی سوچوں میں گھرے ہم نے اپنی طرف سے تیاری مکمل کرنے کا اقدام اٹھایا اور پاسپورٹ ری نیو کروالیا جو سال کے آخر میں ایکسپائر ہونے والا تھا۔ابھی دو ہفتے بھی نہ گزرے تھے کہ حج درخواستیں جمع ہونے لگیں۔چھوٹے بھائی راشد اور بھاوج فاطمہ نے جب ارادہ ظاہر کیا تو ہمارا گروپ گھر میں ہی تیار ہوگیا۔باقی کام کس طرح ترتیب پاتے گئے ہمارا کوئی عمل دخل نہ رہا۔یکم رمضان ہماری حج درخواست کی کامیابی کا اعلان لے کر آیا۔

بالآخر 17 ذیقعد دوپہر بارہ بجے ہماری روانگی کراچی ائیر پورٹ سے ہوئی۔راستے میں ہی عمرے کی نیت کر لی۔ ٹھیک چار گھنٹے بعد جب ہم جدہ پہنچے تو وہاں دن کے دو بج رہے تھے۔یوفون کی وجہ سے فوراً خیر مقدمی پیغامات آنے لگے۔ابھی ہم سیٹ سے اٹھے بھی نہ تھے کہ کراچی گھر والوں تک ہمارے بخیریت پہنچنے کی اطلاع پہنچ گئی۔راشد کی وقت سے پہلے کام کرنے کی عادت کی برکت کہ وہ تو رکشے میں بھی بیٹھے تو اس کے پر لگ جاتے ہیں اور یہ تو پی آئی اے کی ائیر بس تھی جس نے ہمیں اڑا کر اس مقدس سرزمین پر پہنچا دیا جہاں نصف صدی قبل تک اونٹوں کے ذریعے ہی پہنچا جا سکتا تھا۔

امیگریشن وغیرہ کے مراحل بہت خوش اسلوبی سے طے ہوئے جبکہ ہمارا خیال تھا کہ یہاں بہت وقت صرف ہوگا،مگر سب سے پہلے پولیو ڈراپس پلا کر ہمارا استقبال ہوا اس کے بعد انتہائی سرعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے امیگریشن کا کام مکمل ہوا۔لوگوں کو واش روم سے بلوا کر بسوں میں چڑھایا اور مکہ روانہ کر دیا گیا۔اتنی جلدی!!ہم سب انگشت بدنداں تھے! کچھ حیرت، کچھ مسرت کے جذبات لیے ہم نے جدہ چھوڑا! ہم سب آسانی کی دعا مانگتے ہوئے جانب مکہ روانہ ہوئے! دل پگھل رہا تھا! کیا ہماری اوقات اور کیا اللہ کی مہمانی! ہمارے پاسپورٹ لے کر ہمیں شناختی لاکٹ اور بریسلٹ وغیرہ دیئے گئے۔

بس میں ہی عصر اور مغرب کی نماز ادا کی،لنچ باکس اور زم زم دیا گیا۔اس سے پہلے جہاز کے عملے نے بھی ناشتہ دیا تھا۔

گویا ضیافت تو خوب ہو رہی ہے ! رحل سے گزرے تو عجیب سا احساس ہوا کتنا شکر ہے رب کا کہ اس نے ہمیں مسلمان بنایا ورنہ ہم اس سے آگے نہ جا سکتے تھے ! مکہ آنے سے بہت پہلے ہی دنیا کا سب سے بڑا کلاک نظر آ گیا ہے ! اللہ اکبر !! آٹھ بجے کے قریب ہم اپنی منزل تک پہنچ گئے ۔ پہلے ہمیں معلم کے دفتر لے جایا گیا یہاں بھی تواضع ہوئی مگر اترے بغیر ! کچھ منٹ بعد ہم اپنی رہائش گاہ پر تھے ۔ اب ایک ماہ کے لئے یہ ہی ہمارا ٹھکانہ ہوگا ! نئی اور جدید طرز کی نو منزلہ عمارت میں کشادہ کمرے اور واش رومز ، ہر فلور پر دو کچن اور ڈائننگ ہال تھے ، بڑے بڑے لاؤنج جن میں بآسانی فیملی میٹنگز کی جا سکتی ہیں ۔ شکر ہے کہ خراب رہائش کا خوف بھی دور ہوا !! ہمیں چوتھی منزل پر چار کمرے الاٹ کئے گئے جن میں دو خواتین کے حصے میں آئے ۔ ہمارا گروپ بائیس افراد پر مشتمل ہے جس میں تئیس سال کی خاتون سے لے کر اسی سال تک کے بزرگ ہیں ۔ زیادہ تر لوگ تیس سے پچاس سال کے درمیان ہیں جن میں ایک باپ بیٹی ، ایک بھائی بہن اور دو ماں بیٹے کے علاوہ باقی میاں بیوی تھے ۔ ہمارے کمرے میں سات جبکہ دوسرا کمرہ نسبتاً چھوٹا ہے وہاں چار خواتین ٹھہرائی گئیں ۔ یہ ہی صورت حال مردوں کے ساتھ تھی ۔

فریش ہونے اور نماز عشاء ادا کرنے کے بعد تھوڑا آرام کیا گیا اس کے بعد معلم کی طرف سے فراہم کردہ کھانا البیک کھایا گیا ۔ رات بارہ بجے کے قریب جب ہم عمرے کے لئے روانہ ہو رہے تھے تو اللہ کی مہربانی پر دل شکر ادا کر رہا تھا ۔ کتنی آسانی مہیا کر رہا ہے ! سب کا یہ ہی خیال تھا کہ گھر سے نکلنے کے بیس بائیس گھنٹے بعد ہی ہم رہائش گاہ تک پہنچ سکیں گے جبکہ محض بارہ گھنٹے بعد ہم عمرہ کر رہے تھے !

پہلی پہلی حاضری تھی ، دل بہت ڈرا ہوا تھا بہت سی باتیں تھیں جو رب کے در پر جا کر کہنی تھیں مگر جب وہ جلوہ سامنے آیا تو زبان گنگ تھی ! الفاظ کھو چکے تھے ۔ ایک اس بچے کی مانند جو درباری آداب بالائے طاق رکھ کر ایک ٹک بادشاہ کو ہی گھورے چلا جائے جب دل و نگاہ ٹھہری تو اپنی اوقات کا خیال آیا ! مگر ہم کوئی معمولی نہیں تیرے مہمان ہیں ! آداب مہمانی ادا کرتے ہوئے طواف مکمل کیا ۔ کچھ یاد نہیں لب پہ کیا تھا اور دل میں کیا سوچا تھا ؟ وہ تو سب جانتا ہے بس زبان سے کہلوا کر ہمارے ہی اجر بڑھاتا ہے کیا لطف و کرم رات کے اس لمحے چونکہ رش کم تھا لہٰذا بہت آرام سے اور قریب سے طواف کرنے کا موقع ملا ۔

طواف کے بعد سعی کا مرحلہ تھا ! خیال آیا ہمارے چکروں کی تعداد تو متعین ہے حضرت حاجرہ کو تو کچھ پتہ نہ تھا کس طرح اپنے بچے کی پیاس بجھانے کو دوڑی تھیں بس رب کا بھروسہ کہ وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا ! اس یقین کو اللہ نے اتنا پسند کیا کہ اپنی شعار میں شامل کر لیا ! سبحان اللہ ! سبز لائٹوں پر مردوں کے قدم تیز ہوئے ، گویا کانوں میں اسماعیلؑ کے رونے کی آواز گونجی ہو ! عورتوں کی طرف سے تو حاجرہ دوڑ ہی چکی ہیں ! کیا اعزاز ہے ! الحمدللہ ! حلق کے بعد عمرہ مکمل ہوا تو تقریباً تین بجنے والے تھے ہم مسجد کی سیڑھیوں پر بیٹھے بیت اللہ کو تکتے رہے ۔ یہ بھی عبادت ہے ! کیا شان ہے تیرے گھر کی ! زم زم سے سیراب ہوئے کہ منافقین کی فہرست میں شامل ہونا پسند

نہیں!

اب تہجد کا وقت تھا، رب سے سرگوشی کا موقع! مگر توجہ نہیں ہو پا رہی تھی کیونکہ کم از کم تین افراد حلق کے دوران اپنے گھر والوں سے بچھڑ چکے تھے جن کے آنسو تشویش کا باعث بن رہے تھے۔ ان کو تسلی دی گئی یہ اللہ کا گھر ہے یہاں کوئی نہیں کھو سکتا۔ فجر سے فارغ ہوئے تو بچھڑے ہوئے مل گئے۔ کچھ لوگ تو اگلے دن ہی مل پائے۔ دراصل حجام کی دکان کے باہر اپنی خواتین کو کھڑا کر کے بال کٹوانے گئے اتنی دیر میں رش بڑھنے کی وجہ سے ان کو اپنی جگہ سے ہلا دیا گیا۔ نیا نیا معاملہ تھا۔ موبائل آن نہ ہوئے تھے لہٰذا یہ پریشانی ہوئی۔ بہر حال اس میں بھی خیر تھا کیونکہ بقول ایک متاثرہ فرد کے، دعا میں خشوع اور عاجزی نہیں تھی مگر اس وجہ سے پیدا ہوگئی۔ سبحان اللہ! بچھڑنا بھی مبارک ثابت ہوا! مگر بہر حال قیادت کے فقدان اور اجتماعیت میں اعتماد کی کمی کا شدت سے احساس ہوا جو پورے سفر میں رہا۔ یہ تو من حیث القوم ہمارا المیہ ہے!

صبح ہو چکی تھی، لہٰذا واپس جانے کے لئے اسٹاپ پر پہنچے اور ٹک شاپ سے چائے پی۔ اسی دوران گاڑی کا انتظام ہو گیا اور ہم رہائش گاہ واپس پہنچے تو فاصلے کا اندازہ ہوا۔ دوری کے علاوہ ہم سب اپنی رہائش گاہ سے مطمئن تھے۔ صاف ستھرا علاقہ! دو برق رفتار لفٹ ہر وقت تیار! ضرورت کی ہر چیز بلڈنگ سے اترتے ہی دستیاب ہوتی۔ لگتا کہ اپنے ہی گھر میں شاپنگ کر رہے ہیں۔ افسوس اس بات کا کہ جن پراڈکٹس کا ہم اپنے ملک میں بائیکاٹ کر رہے تھے یہاں خریدنے پر مجبور تھے۔ بکراہت استعمال کرنی پڑیں کہ ضروری اشیاء بوجھ اور ممانعت کے خوف سے اپنے ہمراہ نہ لائے تھے۔ بلڈنگ کے نیچے ہی ہوٹل تھے جہاں گرما گرم چائے اور پاکستانی ناشتہ اور کھانا دستیاب تھا۔

اگلے دن سے ہمارا شیڈول یہ رہا کہ تہجد اور فجر کی ادائیگی خواتین اپنے کمروں میں جبکہ حضرات نماز قریبی مسجد میں ادا کرتے۔ اگرچہ حرم کی اذان ہمیں اپنے کمرے میں صاف سنائی دیتی مگر جانا.....؟ فجر سے فارغ ہو کر سحر خیز افراد تو ناشتے کے بعد تیاری میں مصروف ہو جاتے جبکہ کچھ لوگ اپنی نیند پوری کر کے ناشتہ کرتے۔ اس کے بعد حرم کو روانگی ہوتی اور واپسی عموماً مغرب یا عشاء یا کبھی عصر کے وقت ہوتی عموماً ہم پانچ افراد (جس میں ہم تین ایک گھر کے تھے) ایک ٹیکسی کے مسافر بن کر سفر کرتے۔

تیاری کے نام پر نہا دھو کر یا وضو کر کے گلے میں شناختی لاکٹ، ہاتھوں میں بریسلٹ، انگلی میں طواف کے چکروں کی گنتی کے لئے پہنی گئی انگوٹھی والی تسبیح، پیٹھ پر جوتے کی تھیلی، کندھے پر ہلکا سا بیگ جس میں تھوڑا بہت کھانے کا سامان (پانی تو زم زم ہے نا!) بس اس ساز و سامان کے ساتھ ہر ایک، جانب حرم ہوتا! مکہ کی ٹریفک بہت تیز ہے اور بائیں طرف کی ہے، جس کی وجہ سے بڑا محتاط رہنا پڑتا ہے۔

یہاں کی گہما گہمی کا کیا کہنا؟ اپنے جاننے والوں میں سینکڑوں لوگ موجود ہیں مگر کیا مجال جو نظر آ جائیں! خود اپنے گروپ میں سے کوئی شاذ و نادر ہی حرم میں ملتا ہے، الا یہ کہ باقاعدہ جگہ اور وقت کا تعین کریں تاکہ واپس ساتھ آ سکیں! چھوٹے بڑے سو دروازے ہیں اور چاہنے کے باوجود ہم

سب میں نہ جا سکے ! صحن میں اونچائی پر دو کھڑکیاں رسول اللہ ﷺ پر کوڑا پھینکنے والی جگہ کا پتہ دیتی ہیں ! واش رومز کی جگہ پر ابوجہل کا گھر تھا ! رسول اللہ ﷺ کی جائے پیدائش لائبریری میں بدل دی گئی ہے (حج کے موقع پر بند تھی) ! ان سب جگہوں کو دیکھتے ہوئے دل کا حال عجیب ہو جاتا کہ آپ ﷺ نے کتنی تکالیف میں وقت گزارا اور ہم کتنے امن اور سکون سے یہاں گزر رہے ہیں !

حرم کے گرد لا تعداد، فلک بوس عمارات ہیں جبکہ اصل رونق تو اس چوکور سیاہ عمارت کی ہے، جس کے گرد دنیا کے ہر طول وعرض سے آنے والا بے اختیار طواف کرنے پر مجبور ہے ! ہر عمر ہر حلیے ، ہر زبان ، ہر رنگ ، ہر طبقہ فکر ، ہر نسل..... ! الفاظ احاطہ کرنے سے قاصر ہے لوگوں کی اقسام بتانے کے لئے ! جس نے ایک دفعہ آپ کے ساتھ ایک نماز ادا کی ، دوبارہ نظر نہ آیا ! یہ کون لوگ ہیں ؟ کس کی طلب ان کو یہاں لائی ہے ؟ رب کی رضا ! جوق در جوق پروانے کی طرح منڈلانے والے ! لگتا ہے روٹھے ہوئے رب کو منا کر ہی چھوڑیں گے ! مگر شیطان کو یہ کہاں گوارا ؟ اس وقت بھی نقب لگانے کو تیار !! کبھی انا کی ضرب، کبھی دھکا لگنے کی تکلیف پر بے صبرا پن..... جیسے جیسے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ رش بڑھ رہا ہے، نزلہ، فلو بھی عام ہو رہا ہے بالکل اسی طرح سے صبر اور اطمینان کے لگائے گئے ٹیکے بھی اپنا اثر ختم کر کے بے چینی اور اضطراب کی وبا پھیلا رہے ہیں ! حج کی شرائط میں حلال کمائی کا تو خیال پھر بھی رکھ لیا جاتا ہے مگر حقوق العباد کا باب نظروں سے اوجھل ہی رہتا ہے عموماً !

حرم کی وسعتوں کا اندازہ نہیں ہے مگر نماز کے اوقات میں وہ بھی تنگیء دامن کا شکار نظر آتا ہے ۔ ''استوع'' کی صدا کے ساتھ ہی حد نگاہ تک صفیں ہی صفیں ! دنیا میں دستیاب ہر زبان کے بولنے والے موجود مگر دعا سب کی ایک ! کیا اتنی بڑی قوت کا سرمایہ ہونے کا احساس ہمیں ہے ؟ نہیں ! ہرگز نہیں ! (ہاں البتہ ہمارے دشمن کو خوب ہے ، جبھی تو وہ ہمیں ایک نہیں ہونے دیتا ! تقسیم در تقسیم !) سناٹے میں آیا مجمع صرف اللہ کی بڑائی کے آگے اپنا سر جھکا دیتا ہے ، اس قدر عاجزی اور فرمانبرداری ! مگر سلام پھیرتے ہی وہی بے چینی ! ایک متاثر کن منظر ، اتنی جلدی بیزار کن ہو جاتا ہے جب شیطانی آلہ ، جلد بازی، اپنا اثر دکھاتا ہے ۔

ہمیں مکہ پہنچے ایک ہفتہ ہوا تھا کہ ایک دن عصر کی نماز کے بعد زبردست بارش ہوئی ۔ گرج چمک کے ساتھ ! ایک خوبصورت منظر تھا جب حطیم میں میزاب سے سنہرا پانی گر رہا تھا ۔ اس وادی میں ایک قدرتی نکاسی کا انتظام ہے ۔ چنانچہ سڑکیں بالکل صاف ! بارش کے بعد موسم بہت اچھا ہو گیا ۔ ویسے موسم تو اللہ کا شکر ہے کہ ہمیں بہت ہی اچھا ملا ہے ۔ نہ گرمی نہ سردی !

دسویں دن زیارتوں کے لئے گئے ۔ غار ثور، جبل رحمت پر خاصہ رش تھا ۔ لوگ پکنک کی طرح منا رہے تھے ۔ حالانکہ وہاں سختی سے ممانعت لکھی تھی مگر لوگ اپنی بدعتوں میں سرشار کہاں ان باتوں کا نوٹس لیتے ہیں ؟ منیٰ اور عرفات کے میدان کے قریب بھی گئے ۔ جمرات دور سے دکھایا ۔ یہ سب جگہیں حاجیوں کے لئے تیار کی جا رہی ہیں ! اور غار حرا تو بس گاڑی

میں بیٹھے بیٹھے ہی دیکھا۔ اوپر لوگ نقطے کی طرح نظر آرہے تھے ! پیارے نبی ﷺ کس طرح اتنی بلندی پر تشریف لے جاتے تھے؟ یہ سارے مقامات رسول ﷺ کے قدموں تلے رہتے تھے ! اس خیال نے صدیوں پیچھے اس دور میں پہنچا دیا جب ذات گرامی اللہ کی دعوت لوگوں کو دینے کے لئے دنیا جہاں کی تکالیف اٹھا رہے تھے ! انہوں نے تو اپنا کام کر دیا، اب ہماری ذمہ داری ہے ! حوصلوں کی کمی، نہ وہ اخلاق نہ وہ کردار ! نہ وہ دل سوزی ہے نہ صبر ! جبھی تو امت کا یہ حال ہے؟ نماز ظہر کا وقت ہو رہا تھا لہٰذا واپس ہوئے۔

وقت تیزی سے گزر رہا ہے۔ ہم نے کمرے میں ہاتھ سے بنا ایک کیلنڈر لٹکایا ہے جس میں دن میں کئی دفعہ حج میں باقی دن گنے جاتے ہیں گروپ نے دعوتوں کا سلسلہ شروع کیا۔ ہر دوسرے دن کسی ممبر کی طرف سے کھانا ہوتا۔ دن میں کسی وقت ہم قرآن کی منتخب سورتوں کے معنی اور مفہوم مل کر سمجھنے کی کوشش کرتے۔ جمعہ کے دن بھائی انور عظیم (جو حرم میں ہی ہوتے ہیں) کی طرف سے زم زم ٹاور کے فوڈ کورٹ میں لنچ ہوتا جس میں احباب سے ملاقات ہو جاتی۔ کبھی کبھار ضروری اشیاء مثلاً چپل، اسکارف، بیگ یا پھر چھتری چٹائی وغیرہ لینے حرم سے ملحقہ بازار کا رخ کرنا پڑا تو لگا کہ صدر یا پھر اتوار بازار میں گھوم رہے ہیں ! اور اگر کبھی ٹاور کی کسی شاپ میں گھسنے کا اتفاق ہوا تو قیمت سن کر پسینہ پونچھتے ہوئے باہر کا رخ کرتے۔

کچھ ذکر اللہ کے ان مہمانوں کا جو اس کے گھر کا دیدار کرنے دنیا کے ہر کونے سے پہنچے ہیں ! ان میں سب سے بڑی تعداد ترک اور انڈونیشیا کی نظر آتی ہے۔ ملائیشیا اور برصغیر کے افراد بھی کم نہیں ! افریقی اقوام بھی نمایاں سے نظر آتے ہیں۔ یہ تو وہ ہیں جو نمایاں شناخت رکھتے ہیں اس کے علاوہ عربی اور یورپی اقوام جن کو ہم محض ان کے شناختی نشانات سے ہی پہچانتے ہیں ! انقرہ (ترکی) کی ایک خاتون، جو عام ترکوں سے مختلف اور کم و بیش ہمارے ہی حلیے کی (شاید اصلاح معاشرہ کی سوچ رکھنے والوں کا انداز جدا ہی ہوتا ہے !) ہم سے بڑی عقیدت کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ انہوں نے دو کتابچے فارسی اور انگلش میں اپنا نام لکھ کر ہمارے حوالے کیے۔ دو چار جملوں کے بعد ہم دونوں کی لغت ختم ہو گئی جس کا افسوس ہم دونوں کے ساتھ ساتھ رہے گا ! اگر ہم عربی سے جڑے ہوتے تو یہ محرومی نہ رہتی !

رش بڑھنے کے ساتھ ساتھ سول ڈیفنس والوں کے ایس ایم ایس آنا شروع ہو گئے تھے کہ چونکہ حرم فل ہے، راستوں میں جگہ نہیں ہے لہٰذا نمازی اپنی قریبی مقامات میں ہی ادا کریں ! ان اعلانات کے ساتھ ساتھ سڑکوں پر سے ٹریفک غائب کر دی گئی۔ اب دور کے لوگوں کے لئے حرم پہنچنا ناممکن ہو گیا ! جمعہ ۶ ذوالحج کو ہم پانچ افراد صبح ہی صبح ٹیکسی میں روانہ ہو چکے تھے لہٰذا حرم پہنچ گئے جبکہ ہمارے گروپ کے دیگر ممبران نہ جا سکے تھے۔ واپسی میں پیدل آنا پڑا۔ تقریباً گھنٹہ بھر لگا بلڈنگ تک پہنچنے میں، مگر امام کعبہ عبدالرحمٰن السدیس کی پرسوز آواز میں خطبہ اور نماز نے تھکن کے احساس کے بجائے ایک نیا جوش اور جذبہ سا بھر دیا تھا ! آیتوں کا چناؤ بھی بڑا برمحل تھا۔ حج کے احکامات پر مبنی آیات، حاجیوں کو فلسفہ حج بتا رہی تھیں !

اگلا دن یعنی ۷ ذوالحج منیٰ روانگی کی تیاری کے حوالے سے تھا! وہ قلیل سامان جو ہمیں اپنے ساتھ حج کی ادائیگی کے لئے لے جانا ہے۔ بیگ کھلتے بند ہوتے رہے۔ اطلاع یہ تھی کہ شاید آج ہی کسی وقت ہمیں منیٰ پہنچا دیا جائے گا۔ رات گئے تک ہم منتظر رہے، حتیٰ کہ فجر آ پہنچی! نماز سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ بس آ گئی۔ ہم سب نے احرام کی نیت کر لی اور وہ تیاری جس کا ۲۴ گھنٹے سے انتظار تھا بالآخر فائنل ہو گئی! اندھیرا اُجالے میں بدل رہا تھا اور ہم لبیک پڑھتے ہوئے جانب منیٰ تھے۔ آہستہ آہستہ لبیک پڑھنا شروع کیا۔ حاجی کا ترانہ، شاید لوگ زیرلب ہی پڑھ رہے تھے جبھی کوئی گونج پیدا نہ ہو پا رہی تھی۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد ہم منیٰ پہنچ گئے جو حج کے دوران ہمارا مستقر رہے گا! ہمارا مکتب پہاڑ کے اوپر بنا ہوا ہے۔ سیڑھیاں چڑھ کر اپنے خیمے میں پہنچ گئے۔

منیٰ کی حیثیت ویٹنگ روم کی ہے جہاں حاجی کو پانچ روز قیام کرنا ضروری ہے۔ وہ ارکان حج ادا کرنے کے لئے یہاں سے روانہ ہوتا ہے مگر رات کو یہاں ٹھہرنے کی پابندی ہوتی ہے۔ ہم نے پورا دن یہیں گزارا اور نمازیں ادا کیں۔ اجتماعی دعائیں کیں۔ صبح ہمیں عرفات کے لئے روانہ ہونا ہے۔ کھانے پینے اور دعاؤں میں وقت گزرا۔

فجر کی نماز کے بعد اجتماعی دعا کی۔ اب عرفات کو روانگی تھی۔ یہاں کے غیر محفوظ اور مخدوش حالات کے باعث یہ فیصلہ ہوا کہ سامان ساتھ لے کر ہی جایا جائے۔ جیسے ہی بس کی آمد کا اعلان ہوا لوگ نیچے کی طرف دوڑے۔

یوم عرفہ کے دن عرفات کے میدان میں وقوف حج کا رکن اعظم ہے۔ بس نے ہمیں جہاں اتارا، وہاں سے پیدل چل کر اپنے گروپ کے خیمے تک پہنچے تو پونے بارہ ہو چکے تھے۔ ہمارے سوا سب موجود تھے بلکہ بعض تو صبح سویرے ہی پہنچ گئے تھے اور چائے وغیرہ پی کر آرام کے بعد اب کھانے کے منتظر تھے، تاکہ وقوف کر سکیں! عرفات میں اپنے خیمے کو دیکھ کر ساری کلفت دور ہو گئی۔ کھانا کھا کر نماز ظہر ادا کی اور پھر خیمے سے باہر آ کر ریلنگ کے قریب کھڑے ہو کر خطبہ سننے لگے۔ ہم چونکہ بہت اونچائی پر تھے، لہٰذا صاف آواز آ رہی تھی۔ مسجد نمرہ بہت دور مگر واضح نظر آ رہی تھی جس کے اردگرد چاروں طرف، حدنگاہ گویا سفید چادر سی تنی ہوئی تھی! یہ اللہ کے مہمانوں کی پریڈ تھی جس کی سلامی وہ بڑے فخر سے لے رہا تھا اور فرشتے رشک سے ان بندوں کو دیکھ رہے تھے۔

کھڑے کھڑے تھک گئے تو خیمے میں آ کر بیٹھ کر دعا گو تھے! مانگنے والے اپنی دانست میں سب کچھ مانگ رہے تھے مگر پھر بھی وہ کاغذ کو راتھا جہاں مطالبے لکھنے تھے کیونکہ اس کی وسعت جو انتہا کو پہنچی ہوئی تھی! چھتری نکالی، لگائی مگر استعمال کی اتنی نوبت ہی نہ آئی۔ موسم جو اتنا چھا تھا! ایک خوشگوار سا تاثر، گویا کسی ہل اسٹیشن میں تفریح منا رہے ہوں!! ایک لطیف سی رونے سب کو گھیرا ہوا تھا! ایک احساس جو بھائی نے شیئر کیا کہ اتنے بڑے دربار میں کھڑے ہیں مگر طبیعت میں وہ کیفیت کیوں نہیں؟ گھبراہٹ! اپنے اعمال کی شرمندگی ..... وغیرہ وغیرہ! تو اس کا جواب یہ ہی سمجھ میں آیا کہ جب رحمتوں کی بارش ہو رہی ہو، اور کندھے پر پڑا گناہوں کا گٹھڑ نمک بن کر دھل رہا ہو تو طبیعت خود بخود لطیف ہو جاتی ہے! بوجھ سے آزاد! آج

اتنے ہلکے ہو گئے ہو جتنے پیدائش کے دن تھے ! یہ تھا اس کا اعلان ! مگر انسان کی بدقسمتی کہ اسی بوجھ کو اٹھانے کو پھر تیار ! نماز عصر ادا کی اور اب غروب آفتاب کے بعد ہمیں اس منظر سے باہر نکلنا ہے ! نماز مغرب پڑھے بغیر، کیونکہ رب کا یہ ہی حکم ہے ! ہماری ساری عبادتیں تیرے لیے ہیں ! تیرا حکم سر آنکھوں پر ! جنت میں ہمیں یہ مقامات ضرور دکھایئے گا۔ نکلنے سے پہلے مچل کر دل نے دعا کی ! شاید جنت بھی ایسی ہی ہوگی !

اب ہم نے پھرتی کا مظاہرہ کیا اور سب سے آگے گیٹ سے باہر آئے کچھ دیر بس کے پیچھے بھاگنے کے بعد پیدل ہی چل کھڑے ہوئے، کہاں؟ جی ہاں ! اگلا پڑاؤ مزدلفہ ہے ! وہاں پھر حاضری لیں گے فرشتے ! مگر نہیں ! رب تو بہ نفس نفیس استقبال کرے گا ہمارا ! اس خیال نے رفتار تیز کر دی تھی ہم سب کی !

پاپیادہ سفر کا فیصلہ ہی مناسب تھا۔ یہ ایک حسین منظر تھا جب لاکھوں افراد تلبیہ پڑھتے ہوئے رواں دواں تھے ۔ دنیا کی کوئی بھی میراتھن اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی ! اس وقت ہم حج کی اصل روح سے سرشار تھے ۔ ہر ایک یا دو کلومیٹر کے بعد چٹائی بچھا کر تھوڑا آرام کرتے پھر فریش ہو کر دوبارہ سفر شروع کر دیتے ۔ نو بجے کے قریب جب مزدلفہ محض ایک کلومیٹر رہ گیا تھا تو لوگوں کا ایک ریلا سا آیا جو ہمیں واپس جانے کو کہہ رہا تھا ۔ مگر کیوں؟ ہمیں تو اندر پہنچنا ہے ! ایک کشمکش تھی اور ہم تینوں دھکم پیل کا شکار ہو کر مزدلفہ کی حدود میں داخل ہو گئے ۔ جب آگے ایک انچ سرکنے کی جگہ نہ ملی تو وہیں بیٹھ گئے ۔ یہ ایک ابھری ہوئی سطح تھی ! تھکن نیند بن کر آنکھوں میں اتر رہی تھی مگر؟ بھابھی یاد آئیں ''.....کیا خیال ہے؟ آرام کرنے اور سونے کا موقع ہوگا؟ ارے بیٹھنے کی جگہ مل جائے تو غنیمت سمجھنا !.....'' کس قدر درست بات تھی کہ چٹائی بچھانا تو کجا نکالنے تک کی گنجائش نہ تھی۔ بس کسی نہ کسی طرح ٹک گئے ۔ ایک ایک کر کے عملاً اشاروں میں ہی مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا کیں کہ رب کائنات کا یہ ہی حکم ہے !

کیا حسین رات تھی ! آسمان پر دسویں تاریخ کا چاند بادلوں سے اٹھکیلیاں کر رہا تھا۔ ہم ذرا ابھری ہوئی زمین پر تھے اور ہمارے بالکل سامنے پہاڑوں کے درمیان ریلوے اسٹیشن تھا جہاں سے مسلسل ٹرین کی آمد و رفت جاری تھی ۔ پہاڑوں پر لیٹے بیٹھے احرام میں ملبوس لوگ ! لگ رہا تھا کہ ہر طرف سفید کھمبیاں اُگی ہوئی ہیں ! اس تشبیہ پر معذرت، مگر ہمارے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ اس دلکش رات کی منظر کشی کر سکیں ! یہ رات تو ہر سال سجتی ہے زمین کے اس ٹکڑے پر ! جس کی خوبصورتی پر شاید ستارے بھی رشک کرتے ہیں، لہٰذا چاند بھی چند کلومیٹر کے رقبے میں لوگوں کو کنکریوں کی جگہ بچھا دیکھ کر زمین کی اس عزت افزائی پر شرما گیا اور مسکراتا ہوا پہاڑوں کی دوسری طرف اوجھل ہو گیا۔

پانی کی بوتل سے وضو کیا اور نماز فجر پڑھی۔ اس کے بعد وقوف کرنا ہے یہ وقوف یعنی دعا، درود اور تلبیہ حج کے واجبات میں سے ہے اور جسے صبح صادق کے بعد کرنا ہے ! اس کام سے فارغ ہوئے تو کنکریوں کی تلاش میں اردگرد نگاہ کی ۔ اب ذرا جگہ بنی تو ہم نے اپنے سامان میں سے کھجوریں وغیرہ لوگوں میں تقسیم کر دیں تا کہ بوجھ ہلکا ہو ! اور الحمدللہ ہمیں کنکریوں سے

بھری تھیلی بھی مل گئی ۔شاید وقوف میں کی گئی دعا کا فوری اثر ہو کیونکہ یہ قبولیت کا خاص وقت ہے!

اب اُجالا پھیل رہا تھا کیونکہ سورج طلوح ہو چکا تھا ، حاجیوں کے لئے انتہائی مصروف شیڈول لے کر ! جی ہاں ! ایک لمبی فہرست ہے آج کے کاموں کی ! آسانی کی دعا تو ورد زبان بن ہی گئی ہے ! ہمارا تو سانس لینا بھی رب کا محتاج ہے کجا یہ طویل مشقت بھرا سفر! وہ ہی کروائیگا سب! سب سے پہلے تو بڑے شیطان کو کنکریاں مارنی ہیں اس کے بعد قربانی ، پھر بال کٹوانا اور سب سے آخر میں طواف زیارت ،جس کے لئے ہمیں مکہ جانا ہوگا! سب کام ترتیب سے کرنے ہیں ۔اللہ کو آج کے دن یہ ہی کچھ پسند ہے۔

منیٰ میں ہم نے اپنے کام مکمل کئے اور پھر مکہ روانہ ہوئے تا کہ طواف زیارت (حج کا دوسرا بڑا رکن) کر سکیں ۔ اس میں دراصل پورا عمرہ کرنا ہے جیسا کہ قول نبی ﷺ ہے کہ عمرہ آج حج میں داخل ہو گیا ہے ۔ یہاں سے فارغ ہو کر منیٰ واپس آئے تو فجر کا وقت قریب تھا۔مسجد خیف میں نماز ادا کی ۔ یہ مسجد ستر انبیاء کا مدفن ہے ۔الحمد للہ! ہمیں یہاں کئی نمازیں پڑھنے کا موقع ملا۔

گیارہ ذوالحج کو صرف تینوں شیطانوں کو کنکریاں مارنی ہیں۔عصر سے پہلے ہم اس کام سے فارغ ہو چکے تھے۔پھر نماز مغرب کے بعد شدید طوفانی بارش شروع ہو گئی تو اس فتوے کی روشنی میں کہ اگر جان و مال کو خطرہ ہو منیٰ چھوڑ سکتے ہیں ہم مکہ واپس آ گئے ۔مگر رات کے تین بجے ہم تینوں ٹیکسی کے ذریعے منیٰ واپس پہنچے ۔تھوڑی دیر بعد ہمارے ساتھی بھی آ گئے ۔ زوال کے بعد رمی کی اور اپنا حج مکمل کیا۔

حج کے بعد کے احساسات سنبھالے نہیں جا رہے ۔ بڑے جذباتی مکالمے سننے کو ملے اس روحانی تجربے کو سمجھانا اتنا آسان نہیں ! خیالات مجتمع نہیں ہو پا رہے ۔اللہ اس کو قبول فرمائے۔

مکہ میں ہمیں پانچ جمعے ملے ۔پورا ایک ماہ کا قیام تھا۔مکہ چھوڑتے وقت ہمارے وہی احساسات تھے جو یہاں سے روانہ ہونے والے کے ہو سکتے ہیں؟ ہم نے تو محض ایک ماہ یہاں گزارا تو یہ حال ہے اور محمد ﷺ اپنی زندگی کے ترپن سال گزار کر یہاں سے نکلے ہوں گے تو ان کا کیا حال ہو گا ؟ سنا ہے کہ پلٹ پلٹ کر اپنے شہر کو دیکھتے ہوئے گئے تھے ہم نے بھی سنت میں پیچھے مڑ کر دیکھنا چاہا مگر جہاں جا رہے ہیں وہاں کا اپنا الگ چارم ہے ! دل بلیوں اچھل رہا تھا گویا ہم متضاد جذبات کے ساتھ سُوئے مدینہ ہوئے۔

عصر کے وقت ہم مکہ سے روانہ ہوئے تھوڑی ہی دیر بعد اندھیرا چھا گیا۔دل خوفزدہ تھا رات کے سفر سے ! نیند اور تھکن سوار ہو رہی تھی ۔ہم تو اتنے آرام اور اعلان کے ساتھ مدینہ جا رہے ہیں اور محمد ﷺ کس طرح روانہ ہوئے تھے ۔دل بہت بوجھل ہوا یہ سوچ کر! رات کو بارہ بجے تک ہم اپنے کمرے میں پہنچ گئے ۔تھکاوٹ کے باعث کچھ کھائے پیئے بغیر سو گئے ۔

صبح چار بجے آنکھ کھل گئی بلکہ نئی جگہ کی وجہ سے نیند آئی بھی نہیں ! ہم دونوں خواتین وضو کر کے اوپر منزل پر موجود اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مسجد نبوی ﷺ روانہ ہوئے ۔ میناروں کا تعاقب کرتے ہوئے تمام لوگ ایک ہی طرف

رواں دواں تھے ۔ ڈوبتی رات کے اس لمحے ہم اپنے جذبات نوٹ کرنے سے قاصر تھے ۔مسجد کے قیام کا منظر آنکھوں میں آ رہا تھا! اسلام کی شوکت کا نشان ! وہ اونٹنی یاد آئی جس نے اس جگہ کا انتخاب کیا تھا ! ہم باب علیؓ سے اندر داخل ہوئے تو عملے نے ہماری رہنمائی کرتے ہوئے ہمیں اولین صف میں بٹھا دیا ۔نفل سے فارغ ہوکر درود پڑھتے رہے ۔اس کے بعد فجر پڑھی ۔

فجر کے فوراً بعد روضہ رسول ﷺ کی زیارت کے لئے گروپ تشکیل دیئے گئے ۔اردو بولنے والوں کے ساتھ ہمیں بٹھایا گیا ان میں بھارتی مسلمان بھی تھے ۔ یہاں کے آداب کے حوالے سے بریفنگ دی گئی ۔مگر جیسے ہی دروازے کھلے عقیدت مندوں کا گروپ کسی بھی ہدایت کو نہ مانتے ہوئے بھگدڑ مچاتا ہوا بھاگ کھڑا ہوا ۔معلوم ہوا کہ اس سلسلے میں اردو والے خاصے بدنام ہیں ۔ہم آہستہ آہستہ ہدایات پر عمل کرتے ہوئے ریاض الجنۃ پہنچے تو دل کی عجیب حالت تھی ۔کس ذات کے دربار میں کھڑے ہیں ! جس نے ہماری خاطر اتنی پریشانیاں جھیلیں ! وہاں نفل ادا کیے اور درود و سلام پیش کیے ۔ادب کے مارے اپنی سانسیں بھی شور مچاتی ہوئی محسوس ہوئیں ۔منتظم خواتین وہاں کسی کو بھی زیادہ دیر ٹکنے نہیں دیتیں ۔ صرف دو نفل پڑھنے کی اجازت ہوتی ہے مگر ہم نے کئی خواتین کو بارہ سے زیادہ پڑھتے ہوئے دیکھا!

باہر نکلے تو دیکھا ہر چیز قریب ہے لہٰذا ہر نماز میں پیدل ہی جانا ہوتا تھا چنانچہ خوب تھکن ہوتی ۔ یہاں تھوڑی سردی بھی ہے خصوصاً فجر میں ! یہاں کی سڑکیں روز دھلتی ہیں آخر نبی ﷺ کا شہر ہے جنہوں نے صفائی کو نصف ایمان کہا ہے ۔

اگلے دن فجر کے بعد زیارتوں کا پروگرام ہے ۔نماز سے فارغ ہوکر ہم نے چائے اور سینڈوچ لے لیا اور بس میں بیٹھ گئے ۔بس چلی تو گائیڈ نے مسجد نبوی سے ملحقہ جنت البقیع کی طرف اشارہ کیا ۔ یہاں کیسی کیسی نادر ہستیاں مدفون ہیں ۔تھوڑا آگے بڑھے تو مسجد جمعہ کی زیارت کی ۔ یہاں رسول اللہ ﷺ نے پہلا جمعہ پڑھایا تھا ۔ چونکہ یہ صرف نماز کے اوقات میں کھلتی ہے لہٰذا صرف باہر سے دیکھ پائے ۔ ہماری اگلی منزل مسجد قبا تھی ۔

یہ عالم اسلام کی پہلی مسجد ہے جس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کے ساتھ مل کر رکھی تھی اور جن کا ذکر قرآن میں بڑے پیار سے کیا گیا ہے ۔ یہاں نفل پڑھنے کا ثواب ایک عمرے کے برابر ہے تحیۃ المسجد اور نوافل ادا کئے ۔ یہاں بہت خوبصورت منظر ہے ۔ ہریالی ہر طرف ہے ۔زائرین دھڑا دھڑ تصویریں اور مووی بنا رہے ہیں ۔ ہمیں بھی کیمرے والا موبائل نہ لانے کا افسوس ہوا ۔مسجد کے سامنے ایک کنواں بھی ہے اس کے بعد ہم کھجور کے باغات دیکھنے گئے ۔حضرت علیؓ کے باغ میں گئے وہاں سے لوگ عقیدت میں شاخیں بھی توڑ لائے ۔

بئر عثمان دیکھنے گئے جو حضرت عثمان غنیؓ نے خرید کر ہبہ کر دیا تھا ۔ کتنے پیارے ساتھی ملے تھے رسول اللہ ﷺ کو ! ایک کنویں کے بارے میں پتہ چلا کہ یہاں حضرت عثمانؓ سے مہر نبوت والی انگوٹھی گر گئی تھی جس پر منافقین نے بہت شورش بپا کی اور بالآخر عثمانی خلیفہ کے دور میں اس کا پورا پانی نکال کر انگوٹھی

دریافت کی گی ءاوراب یہ ترکی کے عجائب خانے میں رکھی ہے ۔ رسول اللہ ﷺ کے ننھیال کا گاؤں بھی دیکھا ۔ وہ باغ بھی دکھایا جہاں حضرت سلمانؓ فارسی ملازم تھے ۔ جنگ خندق کے موقع پر پہاڑ کی چوٹی پر جہاں آپ ﷺ نے اپنا کیمپ قائم کیا تھا وہاں مسجد ہے ۔ غالباً مسجد فتح ! گاڑی میں بیٹھے بیٹھے دیکھ کر عجیب سا احساس ہو رہا تھا، آپ ﷺ کی حکمت عملی دیکھ کر!

اس کے بعد ہم جبل احد دیکھنے گئے ۔ اس پہاڑ کی بہت اہمیت آنحضرت ﷺ کی زندگی میں رہی ہے ۔ اس کے دامن میں ایک احاطہ ہے جس میں حضرت حمزہؓ اور دیگر صحابہ دفن ہی ۔ سامنے ٹیلے پر وہ درہ ہے جہاں غزوہ احد کے موقع پر حضور ﷺ نے تیراندازوں کو مقرر کیا تھا مگر فتح کے آثار دیکھ کر انہوں نے وہ جگہ چھوڑ دی جس کے باعث فتح عارضی شکست میں بدل گئی اور تقریباً ستر صحابہ شہید ہو گئے ۔ یہ ایک بہت بڑا نقصان تھا ۔ غزوہ احد کی شکست کے دو اسباب تھے ۔ امیر کی حکم عدولی اور مال کی چاہت ! یہ دونوں مشاہدے یہاں بھی موجود تھے ۔ لوگوں کو گاڑی میں بیٹھنے کو کہا جا رہا تھا مگر وہ معمولی اشیاء کی خریداری میں مشغول تھے ! اس میں صرف ہماری نہیں دیگر اقوام ترکی ، ملائی وغیرہ بھی برابر کے شریک تھے ۔ مکے کے مقابلے میں مدینے میں شرک کی ممانعت اور سنتوں پر اصرار زیادہ محسوس ہوا ۔ یہاں ہر مقام پر لوگ نوافل ادا کرنے پر اصرار کرتے ہیں جبکہ مقامی لوگ اس کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں ۔

ہماری اگلی منزل، مسجد قبلتین، تھی ۔ یہ وہ مسجد ہے جہاں نماز کے دوران قبلہ تبدیل ہونے کا حکم الٰہی آیا تھا ۔ یہ دو قبلوں والی مسجد بہت خوبصورت ہے ۔ مدینے میں چونکہ مساجد کے اندر خواتین کا حصہ الگ ہوتا ہے لہٰذا سب کے جمع ہونے میں ذرا وقت زیادہ لگتا ہے ۔ اس کے بعد مدینے کی حدود سے باہر وہ مقام دکھایا گیا جہاں دجال آ کر رک جائے گا ۔ یہاں شاہی محلات ہیں ۔ آسائشوں سے پُر یہ علاقہ امریکی کالونی لگتا ہے ۔ کہا یہ جاتا ہے کہ دجال جب اس مقام تک پہنچ جائے گا تو بہت سے لوگ خوفزدہ ہو کر یہاں سے نکل جائیں گے ۔ یہ منافقین ہوں گے، اس طرح مدینہ ان سے پاک ہو جائے گا!

اب ہم سب تھک چکے اور سفر بھی واپسی کا شروع ہوا ۔ اپنی جگہ پہنچنے سے پہلے مسجد اجابتہ کے بارے میں بتایا کہ یہاں رسولؐ اللہ کی دو دعائیں قبول ہوئیں جو مدینہ کی خوشحالی اور بلاؤں سے محفوظ رہنے کے بارے میں تھیں اور جو دعا رب کائنات نے قبول نہ کی وہ بھائی بھائی بن جانے کے بارے میں تھی ۔ خالق تو اپنی مخلوق کو زیادہ بہتر جانتا ہے! رہائش گاہ پہنچ کر ہم سب تازہ دم ہو کر نماز ظہر کے لئے روانہ ہو گئے ۔ یہاں چالیس نمازوں کے بارے میں لوگ بہت محتاط ہیں!

سنا ہے کہ پہلے پورا شہر مدینہ مسجد نبوی جتنا تھا، مگر اس کی توسیع کر کے پوری مسجد بنا دی گئی ہے ۔ بناوٹ کے لحاظ سے بہترین ہے ۔ نماز کے اوقات میں اندر جا کر جگہ حاصل کرنا جوئے شیر لانے کے برابر ہے مگر کچھ خواتین اس میں ماہر ہیں ۔ مسکرا مسکرا کر جگہ بنا لیتی ہیں اور جو صبح سے بیٹھی ہوتی ہیں بیچاری جگہ دینے پر مجبور ہو جاتی ہیں ۔ یہاں سکیورٹی اور انتظامات پر مامور لڑکیاں بڑی پر جوش ہیں ! مکہ میں تو ہم نے کبھی ان کی آواز تک نہ سنی تھی مگر یہاں چیخ چیخ کر کنٹرول کرتی رہتی ہیں !ہمارے حلیے کی خواتین کو باجی ، ایرانیوں کو حنا اور خانم جبکہ

انڈونیشی کو لیمو کہہ کر مخاطب کرتی ہیں۔کبھی کبھار ان کا شور بہت گراں گزرتا ہے۔ بالکل اس مانیٹر کی طرح جو خود سب سے زیادہ شور مچائے۔مگر عقیدتوں سے سرشار، زیارت کے وقت بھگدڑ مچانے والوں کو بڑی خوش اسلوبی سے نبٹاتی ہیں۔مسجد میں لائبریری بھی ہے۔وہاں پورا ایک شیلف اردو کتب کا ہے ۔پاکستانی کتب کی تعریف وتوصیف منتظمہ نے بھی کی۔مسجد میں مردوں کے حصے میں بعد عصر درس ہوتا ہے جبکہ خواتین کی طرف بھی تجوید کے حوالے سے دروس کا اہتمام ہوتا ہے۔ یہاں ایک خوبصورت منظر وہ ہوتا ہے جب سلائیڈنگ چھت ہٹائی جاتی ہے۔ہائیڈرالک چھتریاں بھی بڑی دلکش ہیں۔ ہفتہ واری تعطیل میں مسجد نبوی ﷺ میں بہت رش دیکھنے کو آیا عید کا سا سماں محسوس ہوا۔نماز جمعہ میں امام صاحب نے مختصر ترین سورتیں تلاوت کیں۔ یہ اس ہادی برحق ﷺ کی تلقین ہے کہ لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔

مدینے میں ہمارا آخری دن آ پہنچا! اس دن ہم نے تینوں اوقات (فجر، ظہر اور عشاء) میں زیارتیں کیں۔ آخری سلام پیش کرتے ہوئے دل عجیب سا ہو رہا تھا۔ عورتیں تو زار و قطار رو رہی تھیں۔عقیدت کا یہ مظاہرہ نہ جانے احکام نبوی ﷺ کی ادائیگی کے وقت کیوں نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے!

صبح نو بجے ہم جدہ روانہ ہوئے۔راستے میں دو دفعہ رکے، سامان کو باندھنے اور کھانے پینے کے لئے۔ پانچ بجے ائیر پورٹ پہنچ گئے۔ بیرونی حصے میں بنی مسجد میں ہم نے عصر اور مغرب پڑھی۔ پھر عشاء اندر جا کر پڑھی۔ ساڑھے دس بجے جہاز روانہ ہوا اور جب ہم کراچی پہنچے تو یہاں صبح کے چار بج رہے تھے۔اتنے بروقت پہنچنے پر سب حیران تھے کیونکہ فلائٹ لیٹ ہونے کا خدشہ یا خبر تھی۔لیکن شاید فلائٹ لیٹ ہونے پر ائیر لائنز کو جرمانہ کے خوف نے اتنا مستعد کر دیا تھا۔

☆☆☆

مقدرّ کا ستارہ

سمجھ نہیں آتا انسان ہنسے یا روئے.....بس رو ہانسا ہونا تھا سو ہو گئے.....ایک رو ہانسی تحریر!

میاں بیوی کا رشتہ ابتدائے آفرینش سے ہی بہت عجیب ہے۔اسی فلسفہ کی رو سے ہم کچھ زیادہ ہی ''میاں بیوی'' ہیں اور ان عجائب میں مبتلا ہوئے ہمیں کئی دہائیاں گزر چکی ہیں اور ہنوز ہم اس فلسفہ کی گتھیاں سلجھانے کی خاطر عقل وفہم کی گلیوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔فہم وفراست کے بھٹکنے کی داستانِ ہوشربا کو نہ ہی چھیڑیئے کہ ''پردے میں رہنے دو، پردہ نہ اٹھاؤ.....'' عورت کی طرح بہت سی باتیں بھی برقع اوڑھے رہیں تو معاشرے میں فساد نہیں پھیلتا۔

رومانوی قصے کہانیوں میں اور محبت کرنے والے میاں بیوی میں ہم نے یہی پڑھا سنا کہ ساجن پردیس جاتا ہے تو آنسوؤں کے ساتھ رخصت کیا جاتا ہے۔جدائی کے گیت گا گا کر ساجن کا چین سے رہنا حرام کیا جاتا ہے اور پھر ساجن کو واپس آنا ہی بنتا ہے۔ادھر یہ حال ہے کہ جب ہمارے سرتاج دیس جانے کی خبر سناتے ہیں تو دل دھک سے رہ جاتا ہے۔ جل تو جلال تو.....کا ورد اور ان کو آیت الکرسی کے حصار میں دینا شروع کر دیا جاتا ہے۔دل پکار پکار کر کہنے لگتا ہے.....''نہ جا دیس، ہائے نہ جا دیس.....'' اور ساجن اڑن کھٹولے پر بیٹھ کر جب دیس پہنچ کر خیریت کی خبر سنا دے۔تو دل کو قرار آتا ہے.....مگر کیا کیجئے اس دلِ عجیب کا جوان کے دیس جانے کے ''سائڈ ایفکٹس'' سے ہول کھاتا ہے ۔ جی ہاں آج کل ''ڈینگی'' نے اس دور کی یاد دلا رکھی ہے جب نمرود ہوا کرتا تھا۔ شاید اب نمرودوں کی تعداد بڑھ گئی ہے جو وہی مچھر اپنی اولادوں سمیت حملہ آور ہے۔ٹی وی پر دیس کے حالات دیکھ سن کر.....دل ناتواں پکارنے لگتا ہے''سیّاں! آجا پردیس، نہ رہیو دیس'' پتہ نہیں اس قصہ حیران میں قصور کس کا ہے؟ کچھ یاد آرہا ہے ، جب ہماری ہوش کی مُندی مُندی آنکھیں کھلنا شروع ہوئیں تو اپنے اردگرد ایک دُعا ''منڈلاتی'' سنی ہر لڑکی اپنے کان میں اذان سننے کے ساتھ ہی اس دعا سے مانوس ہو جاتی ہے۔اس کو پیدائشی دعا بھی کہا جا سکتا ہے پیدائشی نشان کی طرح۔

''اللہ مقدر اچھا کرے۔''

پتہ نہیں اس دعا کا کیا مفہوم تھا۔اُس وقت تو اس دعا کے پردے میں یہ تمنائیں شامل ہوتی تھیں۔

کلاس میں پوزیشن حاصل کرنا .....ڈھیروں رسالے کہانیوں کی کتابیں مل جانا۔سہیلی کے گھر جانے کی اجازت مل جانا.....سکول میں آپی (جس کو آج کل مِس یا میم کہتے ہیں) کی طرف سے شاباش مل جانا.....''بزم ادب'' میں اپنی کارکردگی پہ انعام مل جانا۔والدین اور خصوصاً نانی اماں کے منہ سے اپنی تعریف سن لینا.....

ہوش کی آنکھیں جب ہوش ربا ہوئیں تو معلوم ہوا کہ یہ

''مقدر'' تو اصل میں شوہر کا دوسرا نام ہے۔اس لحاظ سے ہر لڑکی کے شوہر کا نام ''مقدر'' ہے آج بھی ہم سوچتے ہیں کہ علامہ اقبال نے جو شعر لکھا جس میں مقدر کا ذکر ہے تو اصل میں وہ شرم وحیا کی وجہ سے کچھ مدعا چھپا گئے ہوں گے۔ہمیں علامہ اقبال سے محبت بہت زیادہ ہے وہ اتنے اپنے لگتے ہیں کہ ہم ان کو ''ماما اقبال'' کہا کرتے ہیں۔ ماموؤں کے ساتھ محبت تو سبھی کو معلوم ہے کیسی ہوتی ہے۔

ہاں تو جناب! ہماری فہم و دانش و بصر ہے کہ وہ مصرع یوں پڑھا جائے۔

ہر مرد ہے عورت کے مقدر کا ستارہ

فرد اور مرد میں آخر فرق ہی کتنا ہے۔اگر کمپوزر نکتہ نہ لگائے تو فرد کو مرد بننے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔اور ملت اور عورت میں آخر کیا فرق ہے؟ ملت ہو یا عورت دونوں کی آبرو یکساں محترم ہے۔علامہ اقبالؒ نے نو بیاہتا لڑکیوں کے لئے بھی بہت کارآمد نصیحت کی ہے.....جس نے اس پہ عمل کیا سرخرو ہوئی۔یہ بھی ہماری ذاتی تحقیق ہے دیگر تحقیق کے ساتھ ساتھ۔

؎ مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل وگلزار ہوتا ہے

گل وگلزار ہونے کے لئے سب سے پہلا مرحلہ اپنے مقدر کو سمجھنے کا ہے.....ہم نے اپنی سمجھ کے مطابق دیکھا کہ ہمارے ''مقدر'' کو حیران کر دینے کا بہت شوق ہے اور اب تو ہم اس کے اتنے عادی ہو چکے ہیں کہ حیران ہونا چھوڑ دیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ ''یہ میرے ستارے ''حوت'' کے اثرات ہیں''.....جس کو انگریزی میں Pisces کہتے ہیں۔ہمیں ان کی یہ بات بھی حیران کرتی ہے۔سوچ کی دو انتہاؤں پہ رہنا کوئی آسان کام ہے بھلا.....؟ رخ مشرق میں ہی ہوتا ہے اور مغرب جانے کا سامان۔ پھر نہ جانے کب خیالات کے سمندر میں ''مچھلی'' اپنا رخ بدل لیتی ہے۔انتباہ کئے بغیر.....ہم نے اپنے مقدر کی تعریف کے لئے ایک جملہ تلاش کیا ہے.....

پل میں ولی پل میں بھوت

اور ہم آج تک اسی ''مسئلہ فیثا غورث'' کو حل نہ کر پائے کہ وہ ولی کب بھوت بن جاتا ہے اور بھوت کب ولی ہو جاتا ہے۔سچ پوچھیں تو صبح آفس کے لئے ہم نے ولی کو رخصت کیا ہوتا ہے اور واپسی پر بھوت کا استقبال کر رہے ہوتے ہیں کبھی کبھی تو ایک ہی نشست میں دونوں روپ جلوہ گر ہونے کی باری آجاتی ہے۔اور بھوت سے مراد جسمانی حیثیت نہیں ہے۔ آگے آپ خود سمجھدار ہیں۔اور جناب کبھی بھوت کو رخصت کیا ہوتا ہے اور وہ واپس آتے ہیں تو ولی سے ملاقات ہوتی ہے، ہم نے تو اپنے اس رشتہ عجیب سے یہی نتیجہ نکالا ہے کہ

ہیں یہ شوہر کچھ نظر آتے ہیں کچھ

علامہ اقبال کی روح سے دست بدستہ معافی کے خواستگار ہیں۔ہمیں تو لگتا ہے علامہ اقبال نے ہم عورتوں کی بھلائی کے لئے اتنا کچھ کہا ہے ہم ان کے اصل ''مدعا'' کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔کواکب اور شوہر ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے کہ ہم روح اقبال سے معذرت طلب کر چکے ہیں اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ جب ہم ذہنی ہم آہنگی کی نیت سے ولی بنتے ہیں تو ہمارا ''مقدر'' بھوت ہوتا ہے اور جب ہم

ذہنی ہم آہنگی کے شوق میں بھوت بن جاتے ہیں تو ''مقدر صاحب'' میں ولی کی روح سرایت کر چکی ہوتی ہے۔سیانے کہتے ہیں کہ میاں بیوی مثبت اور منفی چارج کی طرح ہوتے ہیں،اورانرجی کا فائدہ ان دونوں کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔

تو یہ ہے! بھوت اور ولی کی آنکھ مچولی.....مگر کیا زندگی کی رونق اسی سے قائم نہیں ہے؟ کچھ بھی ہو دونوں طرف ایک ہی گلہ ہے کہ'' پتہ نہیں ہم کب ایک دوسرے کو سمجھ پائیں گے۔'' ویسے ہم نے سنا ہے کہ جو میاں بیوی ایک دوسرے کو سمجھ جانے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ جھوٹ کہتے ہیں ۔ ہاں جھوٹ سے یاد آیا کہ سیانے یہ بھی کہتے ہیں کہ میاں بیوی کو ایک دوسرے سے اظہار محبت کے جھوٹے بلند بانگ دعوے کرنے کا بھی ثواب ملتا ہے..... جب جھوٹ زندگیوں میں رچ بس جاتا ہے تو پھر وہ سچ لگنے لگتا ہے ۔ یا پھر سچ مچ محبت ہوجاتی ہے ازدواجی زندگی کے قصر کی بنیادیں مضبوط رکھنے کا بڑا آسان ساحل ہے ۔ جھوٹ اور کار ثواب،عالمِ حیرانی ہے نا!

حیرانی سے یاد آیا کہ ہم آپ کو حیران کرنے کے شوق کی بابت بتانا چاہ رہے تھے ۔ایک بار کا قصہ ہے کہ ہمارے شوہر نامدار نے خوشخبری سنائی کہ میں کراچی سے فلاں ٹرین پر سوار ہو کر آرہا ہوں جو اپنے شہر میں کل شام چار بجے پہنچے گی۔ان دنوں ہر دوسرے منٹ پہ رابطہ کرنے کا ذریعہ ''زبانِ زدعام'' نہ ہوا تھا ۔ہوتا بھی تو کوئی فائدہ نہ تھا۔سرپرائز جو دینا تھا۔دلِ مسرور نے استقبال کی پلاننگ کی ۔گھر کی صفائی ، بچوں کی نہلائی دھلائی ، پکوان کی فہرست اور سب سے زیادہ اپنی ذات پہ توجہ اور تیاری کا جذبہ دیدنی تھا.....تصور ہی تصور میں خود کو ملکۂ حسن دیکھا .....اور کانوں میں تصوراتی رس گھولے کہ ''جدائی کے چند دنوں میں تم اور بھی حسین ہوگئی ہو'' اور کیا کیا.....ڈائیلاگ سننے کو اپنے کان کیا خود کو ہمہ تن گوش بنایا۔حساب لگایا کہ اگلی شام کے آنے میں بہت گھنٹے باقی ہیں۔گنگناتے ،خوشی سے جھومتے ،سب کام بحسن وخوبی انجام پانے کی منصوبہ بندی کی کہ کل دو بجے سے حتمی تیاری استقبال کی شروع کی جائے گی ۔تازہ تازہ کھانا اور مزین گھر اور زیب و زینت کا شاہکار بیوی..... کیا یادگار اور خوب صورت لمحات ہوں گے ۔واہ! سبحان اللہ! ہم نے خود کلامی کی ۔اور اپنی نظر خود لگ جانے کے خوف سے پیشگی دعائے نظر بد بھی پڑھ لی اور یہ بھی حسب معمول توقع رکھی کہ ٹرین شام چار بجے کی بجائے دو تین گھنٹے دیر سے ہی پہنچے گی ..... زیادہ خوب صورت نظر آنے کے لالچ میں خود کو پہلے سے ذرا زیادہ میلا رکھنے کا حربہ بھی استعمال کیا.....''اُس دلہن پہ روپ زیادہ چڑھتا ہے جو شادی سے کچھ دن پہلے تیل چپڑی رہتی ہو..... پرانے میلے کپڑے پہنتی ہو.....'' حیران نہ ہوں کسی زمانے میں سیانے یہی کہا کرتے تھے ۔اب سیانے ہی نہیں رہے کہ کچھ کہیں۔

خیر! اسی فارمولے کے تحت ماسی سے خوب سر میں تیل ڈلوایا صحیح معنوں میں جس کی دھاریں ماتھے اور گردن پہ لپکی آرہی تھیں ۔پرانے کپڑے جن کی آپس میں کوئی میچنگ نہ بن پا رہی تھی (اب تیل سے خراب تھوڑا ہی کرنے تھے صاف کپڑے) ماسی نے تیل لگانے کے بعد نصیحت کی کہ ''جتنی دیر تیل لگا رہے گا ، جلد ملائم ، بال چمکدار ہوں گے .....'' ہم نے ملائمت اور چمکداری میں اضافہ کی خاطر اس وقت کا دورانیہ

بڑھا دیا کہ میاں کی آمد سے کچھ دیر پہلے اپنی آراستگی کا اہتمام کرنا چاہیے.....تا کہ تازگی برقرار رہے۔

چار بجے تو ٹرین کے اسٹیشن پہ آنے کا وقت تھا جس نے چھ بجے سے پہلے نہ آ سکنا تھا.....مگر ہمارے ''مقدر'' نے جو سر پرائز دینا تھا وہ دے دیا، یہ اور بات ہے کہ کسر ہماری طرف سے بھی نہ چھوٹی۔اگر چہ بغیر نیت کے تھی۔دن کے دو بجے ہی میرے سرتاج ''یہ عالم شوق کا دیکھا نہ جائے'' کی تصویر بنے گھر میں داخل ہوئے ادھر ملکہ حسن کے سارے خواب چکنا چور ہو گئے .....'' تیل چپڑا ہوا اور نہ تھی نہائی'' اس کو پڑھنے کی کوشش کریں بروزن دل ٹوٹا ہوااور قید تنہائی)

اس صورتحال میں پتہ نہیں کون حیران ہوا اور کون پریشان۔روہانسا ہونے کا اس دن مطلب سمجھ میں آیا ..... جب ارد گرد ہنسی کی آوازیں تھیں اور دل رو رہا تھا۔ٹرین کو راستے میں کسی اسٹیشن پہ الوداع کہہ کر صاحب بس پر بیٹھ کر گھر آ گئے تھے ..... اس سے کہیں زیادہ حیران کر دینے والے واقعات سے ہماری زندگی مالا مال ہے۔کئی بار تو سمجھ میں نہیں آیا کہ بندہ ہنسے کہ روئے۔بس روہانسا ہونا تھا سو ہو گئے ..... کبھی کبھی لگتا ہے ہم دونوں زندگی کے اُس جھولے پہ بیٹھے ہیں جس کو see-saw کہا جاتا ہے جہاں دو ساتھی ہونا بھی لازمی ہیں اور بیک وقت دونوں کھلاڑیوں کا ایک پوزیشن پہ ہونا ممکن بھی نہیں ہوتا۔ہر دو ناظر کے منظر کا رخ جدا..... اس جھولے کا لطف ہی یہی ہے کہ دونوں ساتھیوں کی حرکت اور مقام میں یکسانیت نہ ہو۔ہمیں اس پہ بھی علامہ اقبال کا ایک مصرع یاد آ رہا ہے مگر خیر جانے دیں، تغیّر کے ثبات کی باتیں تو زمانے کی حقیقت ہیں۔روح اقبال ہمیں کہاں تک معاف کرتی رہے گی۔

ہمیں ایک سیانے نے پتے کی بات بتائی تھی ،اُس سیانے کا اتہ پتہ نہ پوچھئے گا یہ ایک رازِ درونِ دل ہے کہ ''جب مقدر کے فیصلے اپنے کنٹرول میں نہ ہوں (یہاں مقدر سے مراد دونوں مقدر ہیں) تو دونوں طرح کے فیصلے کے منتظر،اور دونوں طرح کی تیاری کر کے رکھی جائے۔''

جانے راستہ طے کرتے کرتے .....کرتے کرتے ..... کب منزل کا تعین بدل جائے .....اس کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ ہمیں ہمیشہ کوئی بھی فیصلہ ہو عمل درآمد میں آسانی ہو گئی۔بس یہ ہی تو سوچنا پڑتا ہے کہ

ایسے ہوگا.....یا ویسے ہوگا۔

ایسا ہوا تو.....ایسا،ایسا کر لیں گے۔

ویسا ہوا تو.....ویسا،ویسا کر لیں گے.....اللہ،اللہ خیر صلاّ

جاتے جاتے مکرّر عرض کرتے ہیں کہ ''بیویو! ہماری ''تحقیق'' پہ ضرور غور کیجئے گا آپ کو حقیقت کے ایسے ایسے پنہاں راز معلوم ہوں گے جن کا آپ تصور نہیں کر سکتیں۔جتنا غور کریں گی اتنا فائدہ ہوگا یعنی جتنا گڑ ڈالو گے اتنا میٹھا ہوگا۔ اپنے مقدر کے ستارے کو ماند نہ پڑنے دیجئے گا کیونکہ

؎ہر مرد ہے عورت کے مقدر کا ستارہ

اور جی ہاں! یاد رکھیئے گا ہیں ''کواکب'' کچھ نظر آتے ہیں کچھ۔☆

پہلے پہل تو دبی دبی خواہش تھی پھر وہ آرزو اور پھر حسرت بن گئی۔حسرت بھی ایسی کہ جس نے اُسکا کھانا پینا اوڑھنا پہننا

تک بھلا دیا۔ جس کی خوش لباسی اور خوش گفتاری کا پورے علاقے میں چرچا تھا اب وہ اکثر اپنے آپ سے بے نیاز ایسے حلیے میں نظر آتی

کہ جو دیکھتا پہلے مسکراتا اور پھر اس کی ناتمام حسرت پر آنسو بہاتا۔ سفید شرٹ کاٹن کی ہے تو شلوار پرپل کلر میں ویلیوٹ کی پہن رکھی ہے ..... ایک پاؤں میں سبز چپل ہے تو دوسرے میں گلابی جوتا ..... بالوں میں کنگھا کئے کئی دن گذر جاتے ..... کالج، یونیورسٹی کی بہترین ڈی بیٹر زبان پر کئی من وزنی چُپ کا قفل چڑھائے رکھتی ہے۔

حسرتوں نے اب چنگاری کا روپ دھار لیا اور اس کی غزالیں آنکھوں سے حسرتوں کے شعلے لپکتے دکھائی دیتے۔

اس کے سینے سے حسرتوں کا دھواں آہ بن کر دہکنے لگا۔

اس چنگاری نے اس کے من کو ہی نہیں سلگایا ہڈیوں کا گود ابھی سلگ اٹھا۔

وہ اپنے اردگرد جہاں نظر ڈالتی، بازار، سکول، ہسپتال، پارک جہاں جاتی دنیا اسے خوشیوں میں مگن دکھائی دیتی اس کے غم سے بے نیاز!

اس نے دنیا والوں سے دل کا رشتہ توڑ کے اوپر والے سے رشتہ جوڑ لیا۔

سچا اور پکا.....!!

کسی حد تک اپنے غم کو پینے والی فاتحہ اب دنیا کے موج میلے میں واپس آنے کی کوشش کرنے لگی۔

دل کو سمجھانا کون سا مشکل کام ہے۔ دل نے حکم دیا اور سارے وجود پر نافذ ہو گیا۔ اپنے گھر والوں کے ساتھ ہنستے کھیلتے مسکراتے، گاتے گنگناتے اسے ایک دم خیال آ جاتا..... وہ بے اختیار نگاہ آسمان کی کی جانب اٹھاتی۔

خاموش نظروں میں بلا کا شکوہ ہوتا۔

پیدا کرنے والے! میرے اردگرد سینکڑوں اور ہزاروں نہیں لاکھوں کروڑوں ننھے منے وجود تو نے ہی دنیا میں بھیجے ہیں اور مجھے پورا یقین ہے کہ ان میں سے اکثر ایسے ہوں گے جو تو نے بن مانگے دیئے ہوں گے..... اور کچھ ایسے بھی ہوں گے جن کے لئے اُن کے والدین نے بہت کوشش کی ہوگی کہ وہ دنیا کی دلفریبیوں میں نہ آسکیں ..... ان وانٹیڈ، بن چاہے اور بن مانگے بچے!

اور کچھ ایسے ہوں گے میرے مالک! جن کے لئے ان کے والدین نے رو رو کر دعائیں کی ہوں گی

منتیں مانی ہوں گی

تجھ سے فریاد کی ہوگی

مالک کیا میں نے فریاد میں کمی کی؟

کیا میرے سجدے تجھے پسند نہیں آئے؟

کیا میرا رونا بلکنا تجھے اچھا نہیں لگا؟

کیا میری منتوں مرادوں میں نوافل، صدقات، عمرہ، نذر ونیاز، ذکر واذکار شامل نہیں؟

مالک! تو مجھے کیوں ترستا تا ہے؟

مجھے اس محرومی سے کیوں تڑپاتا ہے؟

کیا میرا کوئی اور ٹھکانہ ہے؟

یا تو ہی بتا تیرے علاوہ کوئی اور دینے والا ہے، میں اس سے مانگ لوں.....

لُولالنگڑا ہی سہی بچہ تو ہو..... جو میری گود کو بھر سکے..... میری تمنا کی پیاس بجھا سکے؟

روتے روتے وہ سجدے میں گر گئی۔

بہت عجیب سی بات ہے حذیفہ! ''میں اللہ سے اپنی دنیا دور کرنے کیلئے جتنی دعا مانگتی ہوں، اللہ نعمتوں میں اتنا ہی اضافہ کرتا ہے۔'' پانچ مرلے سے 2 کنال کی کوٹھی، سیکنڈ ہینڈ موٹر بائیک سے ہنڈا کار.....کارنر والے جنرل سٹور سے ''جدہ شاپنگ پلازہ'' تک کونسی نعمت نہیں جو اسے گئے دنوں میں نہ ملی۔

اس کے نہ نہ کرتے بھی حذیفہ نے کل وقتی ملازمہ کا بندو بست کر دیا۔ وہ جتنا چیخی چلائی کہ میری کونسی گھر میں اور مصروفیت ہے کاموں میں دل لگا رہتا ہے.....اتنا ہی اس کے لئے ملازموں کا بندوبست ہوتا گیا۔

پہلے ڈرائیور، پھر ماسی پھر کل وقتی ملازمہ اور اب خانساماں کا بھی بندوبست ہو گیا۔ اس کے اعتراض کرنے پر حذیفہ نے بے نیازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

''شادی سے پہلے جتنی حسرتیں دل میں تھیں ساری پوری کر لو''

فاتحہ نے سر جھکا لیا.....حسرتوں کی ساری لمبی قطار تو کب کی اس کے دل کی قبر میں دفن ہو گئی تھی.....حسرت تو ایک ہی ہے! اللہ تو قادر ہے ایک بچہ دے دے..... جیتا جاگتا..... جو اسے توتلی زبان میں ''اماں'' کہے اور اس کے اندر تک ٹھنڈ پڑ جائے.....

حسرتوں کی آگ کا بھانبڑ پلک جھپکنے میں بجھ جائے! اللہ تو بڑا بے نیاز ہے تیرے خزانے میں کیا کمی آ جائے گی اگر تو ایک بچہ دے دے..... یہ کالے پیلے روتے ہنستے سب تیری تخلیق ہی تو ہیں۔

اس نے سکوہ کناں نظروں سے آسمان کی طرف دیکھا.....

خانساماں کو کئی دنوں سے بخار تھا.....اس نے عارضی طور پر اپنی جگہ ایک خاتون ملازمہ کو بھیجا.....

ملازمہ نے آتے ہی اسے سلام کیا۔ اس کی نظر نہ قیمتی فانوس پر تھی نہ مہنگے قالین پر.....نہ اسے جدید ڈیکوریشن پیسوں سے غرض تھی نہ بالکل نئے فیشن کے پردوں سے۔ اس کی نظر کا مرکز و محور صرف اور صرف فاتحہ کی ذات تھی۔

''توبہ کتنا سناٹا ہے بیگم صاحب.....کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

.....کیا بچے سکول گئے ہیں؟

''نہیں.....'' فاتحہ نے مختصر سا جواب دیا۔

''ہائیں کہاں گئے؟'' ملازمہ نے حیرت سے پوچھا

''اللہ کے پاس!'' فاتحہ نے گول مول سا جواب دیا۔

''ک۔کیا مطلب، مر گئے؟'' ملازمہ نے ہولا کر پوچھا۔

''نہیں آئے ہی کب تھے جو مر گئے'' اس کی آنکھوں سے بھل بھل آنسو بہنے لگے۔

''ارے کاہے کو روتی ہو'' ملازمہ نے رازداری سے کہا۔

''لو اولاد لینا بھی کوئی مشکل کام ہے؟''

فاتحہ چونکنی ہو گئی.....''کیا مطلب؟''

''مطلب کو چھوڑو یہ بتاؤ شادی کو کتنا عرصہ ہو گیا ہے؟''

ملازمہ نے انٹرویو لیا۔

''دس سال.....'' لمبی آہ فاتحہ کے سینے سے نکلی۔

''لو میری جٹھانی کی شادی کو بیس سال کے بعد اولاد کا منہ دیکھنا نصیب ہوا۔ کوئی پیر فقیر کوئی درگاہ نہ چھوڑی تھی ..... ایک دن تنگ آ کر کہنے لگی.....اللہ سائیں لینا تو تجھ سے ہے لُو لا دے بھلے لنگڑا دے.....''

بات ٹھاہ کر کے فاتحہ کے دل کو لگی۔

مالک لینا تو تجھ سے ہی ہے.....بس.....آگے کہتے کہتے بریک سی لگی پھر کہہ ہی دیا

لُو لا دے لنگڑا دے.....دے تو سہی۔

☆.....☆.....☆

پہلے تہجد کی نماز قضا ہوئی پھر فجر کا وقت بھی کسمساتے گذرا۔ کسی کام کو دل نہ چاہ رہا تھا۔

اونگھتے اونگھتے ظہر کا وقت ہو گیا۔ کسلمندی، منہ میں اور ہی طرح کی کڑواہٹ.....کچا کچا جی۔

پتہ نہیں اللہ جی کیا بات ہے کل تو ٹھیک تھی۔ کل شاید گرم گرم بھُٹے کھانے سے معدے میں درد ہو رہا ہے..... وہ ظہر کی نماز بھی لیٹے لیٹے قضا کر گئی.....خانساماں اندر آ کر ہدایات لے جاتا۔ اونگھتے ٹھیلتے وہ بتاتی رہی یہاں تک کہ حذیفہ کے آنے کا وقت ہو گیا۔

وہ اپنی مخصوص ٹون میں ہنستا مسکراتا اندر آیا سستی سے فاتحہ نے بیڈ سے پاؤں نیچے اتارا۔ اسے زور کی ابکائی آئی۔ توبہ! وہ ناک منہ بند کر کے واش روم کی طرف بھاگی۔

''فتو مائی کیا کھایا.....؟'' اس نے پوچھا۔

''رات کمر میں درد کی شکایت بھی کرتی رہی ہو۔'' کافی دیر فاتحہ واش روم سے باہر نہ آئی۔

''بیگم صاحبہ خیریت تو ہے.....کل اپنی Try کی ہوئی چیز تو نہیں کھالی کوکنگ کلاس میں؟''

''افوہ.....اتنی تیز پرفیوم .....ہٹیں پیچھے'' اس نے پھر ابکائی لی۔

''نیک بخت شروع دن سے یہی پرفیوم استعمال کرتا آ رہا ہوں یہ آج بیٹھے بٹھائے تیز ہو گئی.....واہ!''

واش روم سے پانی گرنے کی آواز کافی دیر آتی رہی ..... فاتحہ باہر آئی تو نڈھال تھی..... بیڈ پر گری تو دل کی دھک دھک کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

امیدوں کے چراغ ایک دم روشن ہو گئے۔

کاشانہ دل میں حسرتوں نے امنگوں کا روپ دھار لیا۔ جو ہوائیں اس کے تن من کو جھلسایا کرتی تھیں اب بادصبا کی طرح اٹھکھیلیاں کرتی محسوس ہوتیں۔

رات بھر جو ستارے اس کے دکھ سکھ میں ساتھ دیتے تھے اب ہر وقت مسکراتے نظر آئے۔

لوگوں کی ترس بھری نظروں پر وہ ترس کھاتی۔

بہار ہی بہار.....کائنات کی خوبصورتی اسے مسحور کرتی اور وہ سوچتی کاہے کو وہ کائنات کی بدصورتیاں ڈھونڈ رہی تھی۔

ایک نیا وجود تخلیق پانے کا مرحلہ شروع میں ہی تھا کہ اس کے اندر باہر کی دنیا بدل گئی۔

لوگوں کے تبصرے پر وہ کھلکھلا کے ہنستی.....

نو ماہ نہیں نو صدیاں تھیں جو اس نے شوق، انتظار اور بے تابی کے عالم میں گذاریں!

گھر کے کام کاج ملازموں کے سپرد تھے، اس نے باہر کی

تمام سرگرمیاں ختم کر کے نئی سرگرمی کا آغاز کیا۔

بچے کے رنگ روپ، ناک نقشے کے تصور سے لے کر بچے کے نام کے انتخاب کا.....دن میں ہزار دفعہ فہرست بناتی اور خود ہی رد کر دیتی.....نام ایسا ہو جو اچھوتا اور منفرد ہو، اچھے معنی بھی رکھتا ہو۔ سننے میں خوب، بہت لمبا بھی نہ ہو۔ جنت چلتے چلتے اس کے پاؤں کے قریب پہنچ گئی تھی۔ شروع میں ہی اسے بتا دیا گیا تھا کہ بچے دو ہیں۔

''دو؟'' وہ حیرت سے چلائی۔

''ایک بیٹا ایک بیٹی، دونوں کے نام سوچ لیں مسز حذیفہ!''

لیڈی ڈاکٹر نے ہنس کر مشورہ دیا۔

''ارے واہ یہ تو زبردست بریکنگ نیوز سنائی مادام فاتحہ نے.....'' حذیفہ بھی خوشدلی سے بولا

''ایک نہیں دو آیاؤں کا بندوبست کروں گا، بے فکر ہو جاؤ''

حذیفہ نے اس سے کہا

جنت پاؤں کے بیچے آنا.....ماں کا عرشوں کی بلندی جیسا رتبہ پانا کس قدر مشقت سے ملتا ہے یہ فاتحہ کو لیبر روم میں گذارے دس گیارہ گھنٹوں میں پتہ چلا۔

ہر درد، ہر تکلیف کو اپنی جان پر سہہ کے جب اس کی گود میں اکٹھے دو بچے آئے تو وہ ساری تکلیف بھول گئی.....

پانچ پانچ سو کے نوٹ اس نے قطار میں لگی نرسوں کو دیئے .....مٹھائیوں کے ٹوکرے کھلنے لگے.....

دونوں بچے رو رہے تھے اور فاتحہ کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو آ رہے تھے۔

ریشم کے سیاہ لچھے جیسے بالوں، گلابی گلابی رنگت ولا نازک سا شہزادہ!

''شہزادہ نہیں ولی عہد.....'' حذیفہ نے اس کے دل کی تحریر پڑھ کر فقرہ مکمل کیا۔

مدر کیئر کا بے بی سوٹ پہنے وہ واقعی گپلو سا فرشتہ تھا.....ہر لحاظ سے مکمل، خوبصورت ترین! جونہی فاتحہ نے اسے گود میں لیا اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

سیاہ روشن، دو آنکھیں گھنگھریالے بال جیسے ندی کی لہریں!

اس نے اس کے سر پر پیار کر کے نرس کو پکڑایا۔

بیٹی حذیفہ کی گود میں تھی۔

بھائی کی نسبت قدرے دبلی.....رنگ بھی سرخ سا تھا۔

چندیا پر دو چار بال ہی تھے۔

ناک کا حدود اربعہ کچھ زیادہ ہی پھیل گیا تھا.....

ہونٹ بہت پتلے.....بغیر کٹاؤ کے.....

اس نے پیار کیا اور بیڈ پر لٹانے لگی..... پنک فراک میں وہ بلاشبہ اتنی چھوٹی سی گڑیا تھی جس کو آسانی سے وہ اپنے ہاتھ پر رکھ سکتی، بونی.....میرے خدا.....ہائے بونی.....اس نے سہم کر سوچا۔

''فکر نہ کرو..... فاتحہ! اللہ نے دی ہے ہم پیار سے لیں گے۔'' حذیفہ نے اسے دلاسا دیا۔

حذیفہ بہت خوش تھا.....اسے چپ دیکھ کر حذیفہ سے رہا نہ گیا

''ناشکری کیوں کرتی ہو؟ قد چھوٹا ہے تو کیا ہوا؟ قد تو اللہ کی دین ہے، ہم گناہ گاروں کی قدرت میں کم یا زیادہ کرنا نہیں، .....وہ وقت سوچا کرو جب کچھ نہیں تھا اور تم.....''

.....فاتحہ نے جلدی سے ہاتھ حذیفہ کے منہ پر رکھ دیا

وہی نادان اور بے وقوف تھی۔

مایوسی اور محرومی میں کیا مانگ بیٹھی ..... دینے والا اگر بیٹا صحیح سالم دے سکتا تھا تو بیٹی کو صحیح سالم بھیجنا اس کے لئے کیا مشکل تھا!

ٹپ ٹپ آنسو اس کی آنکھوں سے گرے اور چادر میں جذب ہو گئے۔ اللہ نے اپنی کتاب میں انسان کو نادان اور جاہل ایسے ہی تو نہیں کہہ دیا!

☆☆☆

ڈاکٹر ثمین ذکا

داستانِ عطاء و بخشش

شاہدرہ میں سیلاب

ستمبر 1988ء میں شاہدرہ اچانک راتوں رات شدید سیلاب کی زد میں آ گیا۔ جس سے بہت زیادہ جانی اور مالی نقصان ہوا۔

شہر لاہور کی تمام فلاحی تنظیموں نے دل کھول کر مدد کی۔ کشتیوں میں کھانے پینے کا سامان اور ضروری ادویات پہنچائی گئیں۔ اسی طرح ہمارے گروپ نے بھی کشتیوں میں امداد پہنچائی۔

صدقہ کا کرشمہ

چاولوں کی فصل تقریباً ڈیڑھ فٹ تک بڑی ہو چکی تھی زیادہ تر تو ڈوب گئے۔ جب پانی کچھ کم ہوا سڑک نظر آنے لگی تو گاڑی سڑک پر کھڑی کر کے قریب کے گاؤں میں آپا ام راشد کے ساتھ بیگم عامر اور آپا ساجدہ جنہوں نے بے شمار سامان اٹھائے ہوئے تھے قریب کے گھروں میں پہنچیں۔ خواتین اپنے اپنے حالات و واقعات بتانے لگیں۔ اس میں سانپوں کا بھی بہت ذکر تھا۔ شام قریب آ رہی تھی یہ تینوں خواتین جلدی سے پگڈنڈی سے واپس آ رہی تھیں ایسا محسوس ہونے لگا ان کے پاؤں کے پاس سانپ گذر رہے ہیں خوفزدہ سی ہو گئیں۔ آپا ام راشد نے صدقہ کی نیت کرنے کو کہا۔ دونوں خواتین آپا ساجدہ اور بیگم عامر بتاتی ہیں کہ صدقہ ماننے کی نیت سے فوراً ہی ڈر جاتا رہا۔

کبھی کبھی مجھے حیرانگی ہوتی ہے کس طرح ربِ کریم نے مجھے گھیر کر اس شعبہ خدمت خلق میں ڈالا اور اب اس کام میں بہت لطف محسوس ہوتا بلکہ سکینت حاصل ہوتی تھی۔ مجھے یاد ہے جب بہاری کالونی سے تھک کر گھر پہنچتی، نماز اور کھانے کے بعد گھنٹہ بھر کی اتنی اچھی نیند آتی کہ شام کی نماز کیلئے بالکل تازہ دم ہو جاتی۔ یہ رحمٰن رحیم ذات کی توفیق ہے جو کہ مانگنے پر ہی عطا کرتا ہے۔

فاطمہ جناح میڈیکل کالج کی پرنسپل ڈاکٹر بشارت صاحبہ نے بھی مجھے کالج میں پہلے سال کی طالبات کیلئے (Demonstrator) کی نوکری دی تھی مگر پھر وہی مسئلہ ہوا چکر آتے یا پھر کسی کام کیلئے بینک یا بچوں کے سکول جانا پڑتا تو پورا وقت ڈیوٹی نہیں ہو سکتی تھی پھر یہ حلال رزق تو نہ ہوتا۔ ان دنوں میں نے ہفتے کے چار دن دو گھنٹے ایک خواتین کے فلاحی ادارے میں بھی اجرت پر کام کیا۔ اسی جگہ ڈاکٹر خورشید ملک (مرحومہ) شام کو دو گھنٹے اللہ کی راہ میں وقت دیتی تھیں اور یہ سن کر حیرت ہوتی کہ وہ کیسے بغیر معاوضہ کے وقت دے سکتی ہیں۔ صبح کے وقت وہ پی سی ایس آئی آر میں میڈیکل آفیسر کا جاب کرتی تھیں۔ اب خیال آتا ہے پروردگار رہنستا ہوگا

کہ نوکریوں کے مزے چکھ لے تیری بھی ادھر کیلئے راہنمائی کروں گا۔

سیلاب کے بعد جب حالات کچھ بہتر ہوئے تو شاہدرہ کی خواتین کا اصرار شروع ہو گیا کہ ہر ہفتہ ان کے مریضوں کو ٹائم دیا جائے۔ ویسے بہاری کالونی کیلئے گورنمنٹ کا ہسپتال ٹاؤن شپ میں بن رہا تھا اور گرین ٹاؤن میں ایک چھوٹی ڈسپنسری کھلی تھی کچھ لوگوں نے تھوڑی فیس پر پرائیویٹ کلینک بھی شروع کر لیے تھے۔

شاہدرہ کے علاقہ میں بہت سال پہلے جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والی ایک نیک دل خاتون آپا جان زبیدہ بلوچ نے وہاں کی بستی جیا موسیٰ میں درسِ قرآن شروع کیا تھا ان کے ساتھ منصورہ (لاہور) سے ایک ڈاکٹر بھی آتیں جو کہ علیل خواتین کا علاج وغیرہ کرتی تھیں۔ یہ سلسلہ کافی سال چلتا رہا پھر آپا جان کی گھر میں ہی گرنے کی وجہ سے ٹانگ کی بڑی ہڈی ٹوٹ گئی تو یہ سلسلہ بند ہو گیا۔ اس پروگرام کا یہ فائدہ ضرور ہوا بہت سے خاندانوں میں دینی شعور بیدار ہو چکا تھا۔

شاہدرہ کا رقبہ تقریباً بائیس کلو میٹر ہے اور یہ مختلف آبادیوں/بستیوں میں بٹا ہوا ہے وہاں کے لوگوں سے صلاح مشورہ کے بعد یہی طے ہوا کہ ہر ہفتہ ایک آبادی میں کیمپ لگائیں گے۔ برکت ٹاؤن سے شروع کیا جو کہ شاہدرہ سٹیشن سے تقریباً تین میل شمال کی جانب ہے۔ دوسرا فیروز والا تھا۔ تیسرا بیگم کوٹ جو کہ شیخوپورہ روڈ پر واقع ہے اور چوتھا کوٹ شمس آباد راوی دریا کے دوسری طرف تقریباً دو ڈھائی میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

برکت ٹاؤن اور بیگم کوٹ میں جذبہ والے محبّ وطن خاندانوں نے اپنے گھر کا صحن اور برآمدہ اس کام کیلئے دے رکھا تھا۔ مریضوں کے بیٹھنے کیلئے چارپائیاں اور کچھ بینچ اور عملہ کیلئے کرسیاں اور دو عدد میزوں کا بندوبست کرتے۔ فیروز والا جس گھر نے شوق سے ہمیں مدعو کیا اسی گلی میں حکومت کی ڈسپنسری بھی تھی۔ جس ہفتہ کے روز ہم وہاں گئے اس دن روٹین کی ٹیم کے ساتھ پروفیسر ڈاکٹر کشور معین بھی تھیں ان کی موجودگی ہمارے لیے بڑی خوشی کا باعث ہوئی۔ کام ختم کرنے کے بعد جب ہم نے گرد و نواح کا جائزہ لیا تو سب کا متفقہ فیصلہ تھا یہاں کیمپ لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔

نومبر 1988ء کا تیسرا ہفتہ تھا اس روز کوٹ شمس آباد کی باری تھی۔ یہ آبادی راوی کے پار تقریباً دو کلو میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے بڑی سڑک سے کافی نیچے تھی گھر زیادہ تر کچے پکے قسم کے تھے (اب تو وہاں کے حالات بہت بہتر ہو چکے ہیں۔ گلیاں اور گھر سب پکے بن چکے ہیں) اس پورے پروجیکٹ کی انچارج ایک آپا صفیہ اور ان کی معاون خواتین ہوتی تھیں۔ انہی سے ہم لاہور میں رابطہ رکھتے تھے۔ اس روز کیلئے پروگرام یہ طے ہوا تھا۔ چونکہ گھر ابھی پوری طرح خشک نہیں ہوئے اس لیے گورنمنٹ کے پرائمری سکول کی عمارت میں مریض دیکھیں گے۔ تقریباً صبح کے پونے گیارہ ہم چار لوگ سبز رنگ کی جیپ میں سکول کے سامنے پہنچے تو دیکھا آپا صفیہ صاحبہ اپنے کالے برقعہ میں ملبوس وہاں پریشان کھڑی ہیں۔ ساتھ میں چند ایک گاؤں کی خواتین بھی تھیں استفسار پر معلوم ہوا کہ سکول کی چابی نہیں مل سکی اور چوکیدار لاپتہ ہے۔ وہ لوگ

کہتی ہیں کسی کے گھر میں کیمپ لگاتے ہیں پاس ہی ایک گھر کی طرف مجھے لے گئیں بالکل نامناسب جگہ تھی۔ صحن کچا اور گیلا تھا۔ پھر گاؤں کے دوسری طرف ایک گھر مجھے دیکھنے کو کہا جس کا دالان کچا اور گیلا تھا اندر ایک اندھیرا سا خالی کمرہ تھا۔ غالباً اس گھر کے مکین ابھی سیلاب کے بعد واپس ہی نہ لوٹے تھے اس روز سردی بے اندازہ تھی دھوپ بالکل مدھم سی تھی۔ باہر دو عدد بوسیدہ سی چارپائیاں پڑی تھیں ان کی طرف اشارہ کیا اور محترمہ کہتی ہیں ''اب یہاں مریضوں کو دیکھ ہی لیں یہاں بہت سی بیماریاں ہیں۔''

حیران اور زیادہ پریشان ان کی شکل دیکھی۔ ''کہاں دوائیاں اتاریں خود کدھر بیٹھیں اور مریض کا معائنہ کیسے کریں؟'' مگر ان کا اصرار ''یہاں تو بہت لوگ بیمار ہیں۔'' یہ سن کر وہیں چارپائی پر بیٹھ گئی اور دل ہی دل میں اپنے خالق و مالک سے رابطہ کیا۔ ''پروردگار تو تُو جانتا ہے ہم کس غرض سے آئے ہیں اتنی بے بسی ہے کیسے تیری مخلوق کی خدمت کریں''؟ ساتھ ہی ٹپ ٹپ آنسو گرنے شروع ہو گئے۔ تھکن اور سردی سے بھی بُرا حال ہو رہا تھا۔

پھر وہ بولیں ''اب کیا فیصلہ کرنا ہے''؟

''ہم واپس جا رہے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ اب اپنی عمارت کا بندوبست کریں گے۔''

انہی دنوں میں ایک نیا پروگرام 'دلو خورد' میں شروع کرنے کے بارے میں سوچ بچار ہو رہی تھی یہ جگہ قصور کے راستہ میں لاہور جنرل ہسپتال سے 9/10 میل آگے ہے۔ زرخیز زمین بنجر ہو چکی تھی۔ کافی زمین کرسچن لوگوں نے خرید کر وہاں یوحنا آباد بنا لیا تھا یہاں غریب لوگوں کا مفت علاج اور مفت تعلیم کا بھی بندوبست ہے۔ اس گاؤں میں مڈل سکول کی ہیڈ ٹیچر محترمہ شمیم صاحبہ نے آپا ام راشد سے رابطہ کیا اور بہت اصرار کے بعد انہیں راضی کر لیا۔ ''دس مرلہ ذاتی زمین حبہ کرنا چاہتی ہوں تا کہ آپ یہاں درسگاہ بنائیں اور اس آبادی کے لوگ دین کی طرف راغب ہوں۔''

ہماری قریبی سہیلیاں جو کہ گاؤں کی فلاح و اصلاح کے پروگراموں میں دلچسپی لیتی ہیں حالات سے آگاہی رکھنا چاہتی تھیں اس لیے ہر ماہ کے شروع میں صبح کے وقت کسی ایک کے گھر میٹنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ بلکہ سب سے پہلے محترمہ ام نجیب نے کہا ان کے گھر پہلی میٹنگ ہو گی وہ خود بھی اور ان کی قریبی رشتہ دار زکوٰۃ و صدقات دیتی رہتی تھیں۔ سب کو آگاہ بھی کر دیا جاتا کہ پچھلے ماہ کی رقم کن کاموں میں خرچ ہوئی۔

جب کوٹ شمس آباد سے کام کیے بغیر واپس آئے تھے تو یہی سوچا تھا میٹنگ میں یہ ضروری بات سب کے سامنے پیش کی جائے۔

جنوری 1989ء کی میٹنگ میں اپنی جگہ کی اہمیت کے بارہ میں بات کی تو سب کا ردعمل بہت حوصلہ افزاء تھا اکثریت نے کہا جگہ دیکھنی شروع کریں رقم کا بندوبست ہو جائے گا۔

ہماری امیرہ محترمہ ام راشد کا تجربہ ان کاموں میں ہم سب سے زیادہ ہے۔ انہوں نے اسی روز مشورہ دیا۔ ''آج ہر کوئی اپنی توفیق کے مطابق اس کام کیلئے صدقہ نکالے اللہ تعالیٰ بہت جلد بندوبست کر دیں گے۔'' چند ہفتے ہی گذرے تھے کہ ہمیں عین ہماری فرمائش کے مطابق جگہ مل گئی۔ بڑی سڑک

شیخوپورہ روڈ ہے اس کے اندر ایک سڑک محمود روڈ جاتی ہے اس وقت تو وہ بہت اچھی پکی سڑک بنی ہوئی تھی اور دکانیں وغیرہ بھی کم تھیں اس لیے خاصی کھلی تھی۔ اس کام کیلئے اللہ نے توفیق دی اور اکثر راتوں کو سورہ فاتحہ کا وظیفہ پڑھتی رہی۔

محترمہ ام فہیم کو مطلع کیا اور ان کے ساتھ جا کر اسی سڑک کے باہر اس شخص کے دفتر میں پچاس ہزار رقم ادا کی باقی رقم تین ماہ بعد دینے کا معاہدہ ہوا دستخط وغیرہ ہوئے اور اس آدمی نے ہمیں جگہ استعمال کرنے کی اجازت دے دی۔

رب کریم کے حضور جب دینی فرمائش ہو بہو پوری ہو جاتی ہے تو دل چاہتا ہے سجدے ہی کرتے رہیں! 7 مرلہ جگہ تھی سامنے کا کچھ حصہ بنا ہوا تھا بڑا کمرہ ایک چھوٹا سا کمرہ اور غسلخانہ۔ گیراج اور گیٹ کافی اچھا تھا۔ پچھلی طرف آدھا حصہ بالکل کچا تھا۔

اللہ کے فضل و کرم سے کام شروع کر دیا۔ بہت سالوں سے ہفتہ کا روز ہی گاؤں کے لیے رکھا ہوا ہے۔ ہماری پرانی ساتھی بیگم عامر آپا ساجدہ گل رعنا اور اس کی نسبتاً جوان سی سہیلی فوزیہ احمد ہمارے ساتھ باقاعدہ جاتے تھے۔ ایک بڑے کمرے کو ڈسپنری کی شکل دینے کیلئے 2 عدد کھڑکیاں بنائی گئیں۔ جہاں سے دوائیاں دی جا سکیں اس کام میں شہلا صحاف اور اس کے گھر والوں نے بہت مدد دی۔ ہمارے درسوں کی بزرگ ساتھی مرحومہ خالہ جان کے شوہر حکیم تھے جو فوت ہو چکے تھے ان کی نہایت عمدہ پرانے وقتوں کی میز جس پر خوبصورت پتھر لگا ہے وہاں پہنچا دی گئی جو کہ آج تک ماشاءاللہ بہت اچھا کام دے رہی ہے۔

ہمارے سب کے عزیزوں نے دوسری میزیں کرسیاں، بینچ، سٹول وغیرہ وغیرہ گھروں سے بھیجے جو کہ آج تک کام دے رہے ہیں۔

تقریباً دو سال تک تو صرف مجھے ہی مریض دیکھنے ہوتے تھے۔ دوائیاں دینے کیلئے اپنے ساتھیوں کی تربیت کر لی۔ آپا ساجدہ تو بہت اچھی طرح نسخہ تیار کر لیتیں۔ وہ اور فوزیہ یہ کام کرتے۔ بیگم عامر کھڑکی سے جب پکڑاتیں تو ہمیشہ کہتیں۔ دوائی دی ہے شفا اللہ تعالیٰ نے دینی ہے، نماز ضرور پڑھو پھر شفا حاصل ہوگی۔ بہن گُل رعنا مسعود کو مریضوں میں کافی دلچسپی ہوتی اس کو پاس بٹھا کر نسخے لکھنے سکھائے اور کچھ عرصہ بعد پرانے مریضوں کو وہ دیکھ لیا کرتیں۔ اسی طرح آہستہ آہستہ فوزیہ کی بھی تربیت ہوتی رہی۔

دوسری ڈاکٹر جو ساتھ شامل ہوئیں وہ ڈاکٹر جمیلہ حفیظ تھیں ''داؤد ہرکولیز'' میں جب میں نے جاب چھوڑا تو ان کو ملازمت مل گئی تھی۔ اس وقت اس فیکٹری کے ایم ڈی حسین داؤد نے مجھے کہلایا تھا کہ چھوڑنے کے بعد بھی مہینہ میں دو بار وہاں کے افسروں کی بیگمات کو دین کی باتیں بتایا کروں۔ اس کام کیلئے گاڑی پچھلے ٹائم گھر سے لیتی اور واپس چھوڑتی۔ اس طرح میری ڈاکٹر جمیلہ سے دین کی وجہ سے دوستی ہوئی وہ ہمارے گروپ سے کافی سینئر تھیں۔

اللہ کے فضل سے بہت مریض (عورتیں اور بچے) آنے لگے تھے۔ ڈاکٹر نبیہہ حسن (مرحومہ) جب فاطمہ جناح میڈیکل کالج کی پرنسپل ریٹائر ہوئیں تو مجھے کہا۔ ''جہاں تم مریض دیکھنے جاتی ہو میں بھی جانا چاہوں گی وہ میرا آؤٹ ڈور

ہوگا۔''

چند ماہ بعد ستمبر 1991ء کے پہلے ہفتہ کو انہیں چھاؤنی کے گھر سے لیا۔ان کے لیے ہم نے مشکل قسم کے امراض کے مریض بلائے ہوئے تھے۔انہوں نے اپنی عادت کے مطابق بہت توجہ سے دیکھا اور دوائیاں وغیرہ لکھیں۔کچھ عرصہ انجم ہارون بھی شامل رہیں۔ان دنوں ہمارے پاس چھوٹی سوزوکی وین تھی جس میں اے سی نہیں تھا۔واپسی پر میں نے ذرا ڈرتے ڈرتے پوچھا ''گرمی لگی ہوگی''؟ بولیں نہیں بلکہ مجھے اچھا لگا ہے، دو ہفتے بعد آیا کروں گی۔اور پھر وہ کچھ مہنگی قسم کی مخصوص دوائیاں بھی ساتھ لے کر آتیں۔اگر کسی مریض کو خون ٹیسٹ اور ایکس رے وغیرہ کیلئے ہسپتال بھیجتے تو وہ اکثر ناکام لوٹتے تھے۔

ڈاکٹر نبیہہ حسن کے اندر اتنی زیادہ ہمدردی کے جذبات تھے کہ ہمیشہ دوسروں کی مدد کیلئے تیار رہتی تھیں۔انہوں نے خود معلومات حاصل کیں اور مجھے بتایا ''چوبرجی کے پاس اسحاق ہارون ہسپتال والوں سے بات کی ہے وہ ہمارے شاہدرہ کے مریضوں کو ایکس رے اور دوسرے ٹیسٹ کرنے میں رعایت دیں گے۔''

پھر کہنے لگیں ''کیا یہ خرچہ کرنا ممکن ہے؟''

''جی ہاں بالکل ممکن ہے ہماری ساتھی خواتین دوائیوں کیلئے کافی رقوم دیتی ہیں یہ کام بھی مریضوں کا ہے اس لیے وہ رقم اطمینان سے خرچ کر سکتے ہیں۔''

فی سبیل اللہ ٹرسٹ

جب اس جگہ کی پکی رجسٹری کرانی تھی تو جگہ کا نام رکھنا ضروری تھا انہی دنوں سب کے مشورہ سے اس کا نام فی سبیل اللہ ٹرسٹ رکھا گیا..... چونکہ جو خواتین لاہور سے کام کرنے جاتی تھیں کوئی معاوضہ نہیں لیتی تھیں۔

ان کمروں کے پچھلے حصہ میں آدھی زمین کچی تھی۔ایک روز ڈاکٹر نبیہہ حسن مریض دیکھنے سے پہلے اس جگہ ہمارے ساتھ گئیں اور بہت سوچ کر کہنے لگیں۔''یہاں دو کمرے بنا کر ان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھانا چاہیے جو ہر وقت گلیوں میں کھیلتے رہتے ہیں۔یہ معاملہ اگلے ماہ کی میٹنگ میں رکھا سب نے اس رائے سے اتفاق کیا۔فنڈز جمع ہونے لگے اور جلد ہی دو کمرے تیار ہو گئے۔پہلی ٹیچر گُل زہرا، ڈاکٹر نبیہہ کی جاننے والی پڑھانے لگیں پھر بچے تھوڑے زیادہ ہو گئے تو برکت ٹاؤن سے زاہدہ کو بھی شامل کر لیا۔

چوکیدار اور آیا وغیرہ اسی علاقہ سے مل گئے تھے۔اس معاملہ میں مقامی خواتین نے ہماری بہت مدد کی۔ان میں بیگم معید اسلم، بیگم شہناز اسماعیل اور آپا عائشہ خورشید ہمیشہ مدد کرنے کیلئے تیار رہتیں۔مقامی خواتین نے ڈسپنری میں بھی مدد دی۔ان میں پروین اور ان کی دو عدد سہیلیاں کافی عرصہ تک آتی رہیں۔لاہور سے آسیہ راشد نے بھی سکول کی نگرانی کے لیے وقت دینا شروع کر دیا۔

کچھ عرصہ بعد لاہور کے دوسری طرف جلو میں ڈاکٹر نبیہہ حسن نے چند اور ڈاکٹرز کے ساتھ اس علاقہ کے مریضوں کو اتوار کے روز دیکھنا شروع کر دیا۔ان میں ڈاکٹر عطیہ سخی، پروفیسر ڈاکٹر زاہدہ درانی، ڈاکٹر ماہ لقا رانا اور سرجن ڈاکٹر شہناز سعید پیش پیش تھیں ویسے باری باری اور بھی کئی ڈاکٹرز نے

وقت دینا شروع کر دیا تھا۔

تقریباً دو سال بعد ایک بہت اچھی بات ہوگئی۔ ڈاکٹر پروفیسر تسنیم عامر رضا اور ان کے شوہر عامر رضا صاحب کے ذریعہ ایک صاحب ثروت نہایت ہمدرد انسان ملک مبارک علی (مرحوم) نے اپنی چار کینال کی کوٹھی واقع علی بلاک گارڈن ٹاؤن ہسپتال بنانے کیلئے دے دی۔ اس دوران فاطمہ جناح میڈیکل کالج کی ریٹائرڈ ڈاکٹرز کی تنظیم فاطمہ جناح اولڈ گریجویٹس ایف جوگ (AFJOG) وجود میں آ چکی تھی۔ ڈاکٹر عنیہہ حسن نے کمال عقلمندی سے اس جگہ کو مریضوں کیلئے میڈیکل سینٹر بنانے کا پروگرام بنا لیا جس کا نام اختر مبارک ریفرل سنٹر رکھا گیا۔ یہاں ہر قسم کے ٹیسٹ ایکس رے اور الٹرا ساؤنڈ وغیرہ کا بندوبست کیا گیا۔ میڈیکل چیک اَپ اور مشوروں کیلئے سینٹر ڈاکٹرز کو اس جگہ مدعو کیا اور سب کی ڈیوٹی مقرر کی۔ تمام ڈاکٹرز بلا معاوضہ ہر قسم کے مریضوں کو دیکھتی تھیں اور اب بھی دیکھتی ہیں۔ ریٹائرڈ پروفیسر ڈاکٹر بلقیس فاطمہ، پروفیسر ہاجرہ عبداللہ (مرحومہ)، پروفیسر ڈاکٹر کشور معین مختلف شعبوں کی انچارج مقرر ہوئی تھیں۔

سب سے پہلی صدر انہوں نے ڈاکٹر شہناز سعید کو بنایا۔ ڈاکٹر زاہدہ خواجہ کو کنوینر مقرر کیا۔ ڈاکٹر تسنیم عامر، ڈاکٹر عطیہ سخی ،زاہدہ درانی اور ماہ لقا رانا چونکہ کالج میں مصروف رہتیں تھیں اس لیے کم وقت دیتی تھیں۔ البتہ بعد کے سالوں میں انہوں نے بہت وقت دیا۔ اور اب ڈاکٹر ناز شمیم، ڈاکٹر زاہدہ خواجہ، پروفیسر ڈاکٹر مسرت نثار، ڈاکٹر ماہ لقا رانا، ڈاکٹر انور جہاں، ڈاکٹر ماورا، ڈاکٹر بشریٰ رشید، ڈاکٹر کوثر کمال اور ڈاکٹر بشریٰ فلک شیر، کافی اچھے طریقے سے اس سینٹر کو چلا رہی ہیں۔ ڈاکٹر خورشید مرش، ڈاکٹر منیرہ عورتوں کے امراض کی ماہر ہیں دو مرتبہ آتی ہیں۔ بروز منگل عورتوں کے تمام امراض کا آؤٹ ڈور ہوتا ہے۔ بہت سی لیڈی ڈاکٹرز آتی ہیں خوب رش ہوتا ہے۔ جمعرات کے روز کان اور گلے کی ماہر ڈاکٹر ثریا سعید ٹائم دیتی ہیں۔

بروز جمعہ ٹی بی کلینک ڈاکٹر شہناز سعید کرتی ہیں اور اس روز آنکھوں کا کلینک ہوتا ہے اس کے لیے ڈاکٹر اعجاز خواجہ نے بہت وقت دیا اور پھر ڈاکٹر سعید آنے لگے اور اب ایک خاتون ڈاکٹر عاصمہ آنکھوں کی ماہر بھی ادھر آ رہی ہیں۔ اس روز ڈاکٹر مسرت سہیل الٹرا ساؤنڈ کرتی ہیں جبکہ زیادہ مریض بدھ کے روز ڈاکٹر بشریٰ ارشد سے کراتے ہیں اور ڈاکٹر منیرہ عورتوں کے امراض کی ماہر بھی بدھ کو آتی ہیں۔

ہر بدھ اور سوموار کو بچوں کا کلینک ہوتا ہے جس کی انچارج ڈاکٹر رفیعہ شاہ ہیں۔ دوسری بچوں کی ڈاکٹر افشاں میر اور ڈاکٹر عالیہ ہیں۔ ڈاکٹر سامیہ احمد بھی کافی ٹائم دیتی تھیں ،اب وہ اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ اسلام آباد منتقل ہوگئی ہیں۔

آخری بدھ اختر مبارک میڈیکل سنٹر میں جوڑوں اور پٹھوں کی بیماریوں کا خاص کلینک ہوتا ہے جس کی انچارج ڈاکٹر نگہت میر ہیں۔ اس روز بے اندازہ رش ہوتا ہے۔ باقی تین بدھ ڈاکٹر توصیف صاحبہ اس طرح کے مریضوں کا معائنہ اور علاج کرتی ہیں۔ ڈاکٹر انور جہاں اور افشاں میر دونوں جنرل سیکرٹری کے فرائض سر انجام دے رہی ہیں۔ ڈاکٹر افشاں

بچوں کی بیماریوں کی ماہر ہیں۔ ہفتے میں دو روز ڈاکٹر عالیہ اور رفیعہ شاہ کے ساتھ کام کرتی ہیں فنانس (مالی ذمہ داری) کے کام ڈاکٹر ماہ لقا رانا اور ڈاکٹر بشریٰ سعید کے سپرد ہیں۔ ڈاکٹر بشریٰ گائنی کی سپیشلسٹ ہیں اور ڈاکٹر شمشاد حئی کے ہمراہ ہر منگل کو خواتین کی اندرونی بیماریوں کا علاج بھی کرتی ہیں۔

جنرل آؤٹ ڈور میں فیملی ڈاکٹر کے طور پر بہت سی ڈاکٹرز ٹائم دیتی ہیں۔ ڈاکٹر راشدہ ملک مریضوں کو دیکھنے کے علاوہ سینٹر کی مالی امداد بھی کرتی ہیں۔ ڈاکٹر عطیہ سخی نے بھی اس جگہ بہت وقت دیا۔ ڈاکٹر فیاض اور ڈاکٹر سعدیہ باقاعدگی سے آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو بہترین اجر سے نوازے۔ اس میڈیکل سینٹر میں تنخواہ دار ملازمین بھی کافی ہیں۔ جبکہ مسز ریحانہ رفیق اور مسز کشور ہاشمی بغیر معاوضہ کے ہر منگل مریضوں کی پرچی بنانے اور رجسٹر میں نوٹ کرنے کا کام بہت لگن اور توجہ سے کرتی ہیں۔

سرجن اور جلد کی بیماریوں کے ڈاکٹر بھی منگل کو آتے ہیں۔ ان پندرہ/سولہ برسوں میں اللہ کے فضل سے اس جگہ نے بہت ترقی کی ہے۔ چندہ دینے کے لیے کھلے دل سے لوگوں نے مدد کی اور اب بھی کرتے ہیں۔ ایک اور سینٹر ماڈل ٹاؤن میں بھی اسی طریقہ پر کھل گیا اس کی عمارت مسز ریحانہ رفیق کی بہن اور بہنوئی زاہدہ اور مرحوم ضیاء صاحب نے حبّہ کر دی۔

ان عمارات میں دوپہر تک مریضوں کے کام ہوتے ہیں اور پچھلے ٹائم مزدور والدین کے بچے پڑھنے آتے ہیں۔ سسٹم بہت کامیابی سے چل رہا ہے۔

☆☆☆

مجھے یقین ہے.....!

میری نظریں کتنی دیر سے ایک ہی سوال پر جمی ہیں'' آپ پاکستان کو اگلے پانچ سالوں میں کس مقام پر دیکھتے ہیں؟'' یہ سوال ایک تحقیقاتی سوالنامے کا ہے جسے کچھ دیر پہلے میری ایک ہم جماعت میرے ہاتھوں میں تھما گئی ہے اور مجھ پر سوچ کا ایک جہان وا ہو گیا ہے۔ میں اپنے ملک پاکستان کو اگلے پانچ سالوں میں کہاں دیکھتی ہوں؟ میرے ٹھہر جانے کی وجہ ذیل میں موجود آپشنز ہیں جن میں سے کسی ایک کو مجھے نشان زد کرنا ہے :(ا) سیاسی طور پر مستحکم ، اقتصادی طور پر ترقی کرتا ہوا (ب) سیاسی غیر مستحکم ، معاشی مستحکم (ج) سیاسی اور اقتصادی طور پر غیر مستحکم!

میں اگر موجودہ تناظر میں وطنِ عزیز کو دیکھوں تو ہر طرف مایوسی کے بادل چھائے نظر آتے ہیں ، 18 کروڑ کی آبادی کے اس ملک میں نصف سے زائد آبادی خطِ غربت سے نیچے زندگی گزار رہی ہے، ملک کا ایک صوبہ سیلاب میں ڈوبا ہوا ہے تو دوسرے میں ڈینگی کی افتاد نے تباہی مچا رکھی ہے ، باقی بچ جانے والے دو صوبے اپنوں اور غیروں کی جارحیت کا شکار نوحہ کناں نظر آتے ہیں ، شہر قائد ٹارگٹ کلنگ کے عفریت کے پنجوں میں جکڑا ہوا ہے! پھر بھی مجھے خدا سے امید ہے کہ وہ اس ملک کو ان سب مصیبتوں سے نکال لے گا جیسے ہمیشہ سے نکالتا آیا ہے، اس نے ہمیں 1947ء میں نوازا تھا، 1965ء میں سرخرو کیا تھا، کارگل جیسے محاذ پر ذلیل ہونے سے بچایا تھا، اسی خدا نے ہمیں زلزلوں جیسی آفت سے نبٹنے کا حوصلہ دیا تھا۔ یہ سیلاب ، یہ بیماری اسی کی طرف سے ہے، وہی ہمیں اس سے نکالے گا۔ ہمارے حکمران ہمارے نہیں پر خدایا تو تو ہمارا ہے، مجھے یقین ہے تو ضرور ہماری سنے گا اور میرا وطن'' سیاسی اور مستحکم، اقتصادی طور پر ترقی کرتا ہوا'' ہوگا ، ابھی نہ سہی اگلے پانچ سالوں میں ہی سہی کیا خبر!

ملک کی ساری صورتحال کے برعکس میرے ملک کے حکمران اور سیاستدان شاد آباد نظر آتے ہیں ، انہیں صرف اقتدار سے غرض ہے جس کی خاطر وہ کبھی ایک کے چرنوں میں بیٹھ جاتے ہیں کبھی دوسرے کے، رہ گئے عوام تو ان کا خدا ہے نا!

کیسی بدقسمتی ہے میرے وطن کی کہ قائدِ اعظم کے بعد کوئی بھی ایسا لیڈر نہ میسر آ سکا جس کی پکار پر یہ قوم یک جان ہو کر لبیک کہتی ، جو اس ملک کو لوٹنے کھسوٹنے کے بجائے ان پسے ہوئے زخم خوردہ انسانوں کے زخموں پر مرہم رکھتا، جو انہیں صرف نعرے نہیں بلکہ صحیح معنوں میں روٹی، کپڑا اور مکان دیتا، انہیں ایک حقیقی لیڈر ، ایک نڈر اور بے باک قیادت دیتا کہ امریکہ بھارت اور اسرائیل جیسے بھیڑیے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی جرأت بھی نہ کر پاتے ،لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے انفرادی اور

اجتماعی دونوں صورتوں میں اپنے فرائض سے کوتاہی کو اپنا شعار بنالیا، ہماری نظریں ہمیشہ دوسروں کی کوتاہیوں اور کمزوریوں پر رہیں، کبھی اپنا احتساب نہیں کیا اور خودغرضی اور ریاکاری کی اس دلدل میں دھنستے دھنستے اپنا قومی وقار، عزتِ نفس اور ناموسِ ملت کو تارتار کرڈالا، پھر خدا نے بھی ہمیں ایسے حکمران دیئے جو اپنے عوام کو سیلاب کے پانی میں ڈوبتا، دشمن کے ڈرون حملوں میں مرتا اور کسی ''نا معلوم تیسری قوت'' کے ہاتھوں پورے شہر کو یرغمال بنا چھوڑ کر غیر ملکی دوروں پر نکل پڑتے ہیں کہ عوام کا کیا ہے روپیٹ کر صبر کرلینگے لیکن ہمیں شاید دوبارہ یہ موقع نہ مل سکے۔

ابھی میرے دیس کے حکمرانوں کے پاس تو فرصت نہیں ہے کہ وہ ملک کے بارے میں سوچ سکیں، آخر فرصت ہو بھی کیسے سکتی ہے کہ وہ تو بین الاقوامی دوروں سے آتے ہیں اور پھر کسی دورے کی تلاش میں نگاہیں دوڑانے لگتے ہیں تو انہیں اس ملک کے استحکام سے بھلا کیا دلچسپی ہوگی، اس ملک کے لیڈرانِ سیاسی کو ملک سے فقط اتنی دلچسپی ہے جتنی میوزیکل چیئر کھیلنے والوں کو آخری بچ جانے والی کرسی سے ہوا کرتی ہے اور اقتصادیات سے ان کی دلچسپی مزید قرضے یا امداد یا عرفِ عام میں ''بھیک'' حاصل کرلینے کیلئے ہوا کرتی ہے۔ پھر بھی مجھے امید سی ہے کہ اگلے پانچ سالوں میں میرے وطن کو کوئی ویسا ہی لیڈر میسر آجائے جیسا 1947ء میں آیا تھا، کوئی پھر سے قائد بن کر اس قوم کی قیادت سنبھال لے اور اسی ولولے، جوش اور حدت کو اس قوم میں زندہ کردے جو کبھی اس کا خاصہ تھی اور پھر ایک انقلاب برپا ہو، ایک پرامن اور اسلامی انقلاب جو اس ملک کو ''سیاسی طور پر مستحکم اور اقتصادی طور پر ترقی کرتا ہوا'' بنادے۔

میرے اس خوش فہمی کی حد تک پہنچے گمان کو شاید کوئی دیوانگی کہے لیکن مجھے یہ گمان یہ امید، یہ یقین خدا کے رسول ﷺ کے اسوہ نے دیا ہے کہ جب ایک تن تنہا شخص دشمنوں کے گھیرے میں اسلام کا علم بلند کرتا ہے صرف اپنے رب کے دیئے ہوئے یقین کے سہارے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے پورا عرب اس علم تلے متحد ہوکر اسلام کی قوت بن جاتا ہے، میرا ملک بھی اسی اسلام کے نام پر بنا ہے، یہ رسول خدا ﷺ کے جانثاروں کا وطن ہے پھر یہ کیوں ایک علم تلے جمع نہیں ہوگا اور میرا یہ یقین حال ہی میں امریکی دھمکیوں کے بعد پیدا ہونے والی صورتحال نے مزید پختہ کردیا ہے کہ چلو بیانات کی حد تک ہی سہی ہم دین و ملت کے اس دشمن کے خلاف یک زبان ہو تو رہے ہیں اور خدا کرے کہ یہ دھمکیاں صحیح معنوں میں ہمارے حکمران کو خوابِ غفلت سے جگا دیں اور ہم ہمیشہ کے لئے امریکہ کے ظالمانہ تسلط سے آزاد ہوکر اللہ اور اس کے رسولؐ کے زیرسایہ آجائیں پھر یہ ملک سیاسی طور پر بھی مستحکم ہوگا اور اس کی اقتصادی صورتحال پر بھی کسی کو سوال اٹھانا نہیں پڑیگا (انشاءاللہ)

ہمیں خبر ہے کہ ہم ہیں چراغِ آخر شب
ہمارے بعد اندھیرا نہیں اُجالا ہے

☆☆☆

صحت مند زندگی کیسے

بچوں کی صحیح پرورش کے اصول

ہمارے بچے ہماری قوم کے مستقبل کے معمار ہیں لہٰذا اُن کی جسمانی، ذہنی اور روحانی صحت اور درست پرورش ہمارے معاشرہ کی ترقی اور ملک کے استحکام و بقا کے لیے شرط ہے۔ ایک بچے کی بہترین ابتدائی تربیت گاہ بلاشبہ اُس کی ماں کی گود ہے۔ لہٰذا اُس کے لیے بچے کی صحیح پرورش کے اصولوں سے آگاہی لازمی ہے۔

بچوں کے لیے اچھی غذا اور صاف ماحول کا مہیا ہونا ضروری ہے لیکن ساتھ ہی پیار، محبت اور صحیح نشوونما بھی اسی قدر ضروری ہے۔ انہی چیزوں کے ساتھ ہی بچے آئندہ زندگی میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ بچے کے ابتدائی چند سالوں میں ہمیں مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا چاہیے:

۱- بچے کو پیدائش کے فوراً بعد ماں کے دودھ کی ضرورت ہوتی ہے جو غذائیت سے بھرپور ہونے کے ساتھ ساتھ بچوں کو بیماریوں سے بھی بچاتا ہے۔ اسی لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ بچے کو دو سال تک ماں کا دودھ پلایا جائے۔ بچے کی صحت کی خاطر ماں کو خود بھی صاف رہنا چاہیے اور بچے کی بھی صفائی رکھنی چاہیے اور دودھ پلانے سے پہلے اپنے ہاتھ صابن سے دھو لینے چاہئیں۔

۲- بعض علاقوں میں مائیں نوزائیدہ بچوں کو کپڑے میں لپیٹ کر رسی یا فیتہ وغیرہ سے باندھ دیتی ہیں تاکہ بچہ سکون سے سویا رہے۔ یہ درست نہیں ہے بچوں کو آزادی سے ہاتھ پاؤں ہلانے دینا اُن کی صحت کے لیے بہتر ہے۔

۳- ہمارے ہاں بچوں کی آنکھوں میں سرمہ لگانا عام رواج ہے۔ اگر تو سرمہ معیاری ہو تو ٹھیک ہے لیکن دیکھا گیا ہے کہ عام طور پر سرمہ میں سیسہ کی اچھی خاصی مقدار پائی جاتی ہے جو انتہائی مضر صحت ہے یہ خاص کر بچوں کی دماغی صلاحیت کو بری طرح متاثر کرتی ہے۔ لہٰذا جب تک یہ یقین نہ ہو کہ سرمہ میں سیسہ موجود نہیں تو اس وقت تک اسے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔

۴- سب سے اہم بات یہ ہے کہ پیدائش کے ایک سال کے اندر بچوں کو مختلف بیماریوں سے بچانے کے لیے حفاظتی ٹیکوں کا کورس کرایا جائے۔ یہ کورس بچوں کو چھ خطرناک بیماریوں یعنی خسرہ، کالی کھانسی، خناق، پولیو، تشنج اور ٹی بی سے بچاتا ہے۔ اس کورس کے بارے میں اپنے قریبی ہیلتھ سنٹر سے معلومات حاصل کریں۔

۵- پانچ ماہ کی عمر سے بچوں کو ماں کے دودھ کے ساتھ ٹھوس غذا مثلاً دلیہ، ساگودانہ، نرم چاول وغیرہ دیں۔

اور ایک سال کے بعد دیگر نرم خوراک انڈے، دہی، نرم سبزیاں اور پھل وغیرہ دیں۔

۶- بچوں کو کھانا کھلاتے وقت اپنے اور اُن کے ہاتھ صابن سے دھوئیں۔

۷- بچوں کے کھلونے گندے ہونے پر انھیں صابن سے دھوئیں۔

۸- چھوٹے بچوں کو ہوا میں اچھالنا ان کے نازک دماغ کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ ایسا کرنے سے باز رہیں۔

۹- بچے نرم و شائستہ آواز پسند کرتے ہیں لہٰذا اُن سے اسی لہجہ میں بات کریں۔

۱۰- بچے بڑوں کو دیکھ کر ان کی نقل کرتے ہیں لہٰذا ان کے سامنے کوئی غیر مہذب گفتگو یا حرکت نہ کریں خاص کر والدین کو چاہیے کہ وہ بچوں کے سامنے نرم و شائستہ لہجے میں بات چیت کریں اور ہر کام سلیقہ سے کر کے بچوں کو پیروی کا موقع دیں۔ اسی طرح والدین خود صفائی اپنائیں اور بچوں کو نہلانا، دانت برش کرنا اور رفع حاجت کے بعد اور کھانے سے پہلے صابن سے ہاتھ دھونا سکھائیں۔

۱۱- بچوں کو ہر اچھی حرکت پر شاباش دیں تا کہ وہ آئندہ بھی اس پر عمل کر سکیں۔

۱۲- بچوں پر چیخنے چلانے، ڈانٹنے اور مارنے سے اُن کی خود اعتمادی ختم ہو جاتی ہے اور اُن کی شخصیت دب جاتی ہے وہ آپ سے پیار کی بجائے ڈرنے لگتے ہیں۔ لہٰذا ایسا ہرگز نہ کیا کریں۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بچوں سے بے حد پیار فرماتے تھے۔

۱۳- بچوں کو اندھیرے سے یا جنوں، بھوتوں و جانوروں سے نہ ڈرائیں اس طرح وہ ہر وقت خود کو غیر محفوظ سمجھنے لگتے ہیں۔

۱۴- بچوں کے پیٹ میں کیڑوں کا ہونا ایک عام شکایت ہے۔ اس کی دو بنیادی وجوہات ہیں۔

(الف) جب کیڑوں کے انڈے مٹی سے یا گندی خوراک کے ساتھ منہ کے ذریعہ انسانی جسم میں داخل ہوں تو وہ آنتوں میں نشوونما پاتے ہیں اور کیڑے بن جاتے ہیں۔

(ب) جب کیڑوں کے لاروے (بچے) بچوں کے ننگے پاؤں کی جلد خاص کر تلووں کے ذریعہ جسم میں داخل ہو کر خون کے ذریعہ پھیپھڑوں اور پھر آخر کار آنتوں میں پہنچ کر بالغ کیڑا (Mature Worm) بن جاتے ہیں۔ یہ کیڑے نہ صرف بدن میں خون کی کمی کا باعث بنتے ہیں بلکہ چڑچڑا پن، سانس کی تکلیف، نقاہت اور بعض اوقات آنتوں کے بند ہونے (Intestinal obstruction) کا سبب بھی بنتے ہیں۔ اس لیے اپنے بچوں کو ہمیشہ جوتے پہنائے رکھیں، چاہے وہ عام حالات میں ہوں یا کھیل کود کے دوران ہوں۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہو گا کہ آپ کا بچہ پاؤں میں چوٹ لگنے سے بھی محفوظ ہو جائے گا۔

۱۵- گھر کے اندر دوائیاں اور دوسری اشیاء (مثلاً مچھر یا جوؤں کو مارنے کی دوائی، کیمیکلز اور گرم اشیاء،

ماچس کی تیلیاں، مٹی کا تیل وغیرہ) ہمیشہ ایسی محفوظ جگہ پر رکھیں جہاں بچوں کی رسائی ممکن نہ ہو۔

۱۶- دیوار پر کم اونچائی پر لگے ہوئے بجلی کے ساکٹ اور سوئچوں کے سامنے میز، کرسی یا دوسری رکاوٹیں رکھ دیں تاکہ بچے ان میں انگلی نہ ڈال سکیں۔ آج کل بازار میں بجلی کے ساکٹوں کو بند کرنے کے لیے پلاسٹک کے پلگ دستیاب ہیں۔ ان کا استعمال کریں۔ سوئچوں کو ہمیشہ بند (off) رکھیں۔

بیگم اسماء ممتاز

میرا تجربہ

قربانی کا گوشت

عیدالضحیٰ کے موقع پر عموماً ایک دو بار گوشت کھا کر دل بھر جاتا ہے۔قربانی کا گوشت اکثر اناڑی قصاب بناتے ہیں۔ لیکن اگر تربیت یافتہ ہوں تو بھی جلدی کی بناء پر گوشت صاف کرنے ،چھیچھڑے، پٹھے اور چکنائی ہٹانے کی زحمت نہیں کرتے ۔ بوٹیاں بھی بڑی بناتے ہیں اور ہڈیاں بھی بڑی ہوتی ہیں جنہیں لاپروائی سے توڑنے کی بنا پر ان کا چورا ہو جاتا ہے ۔ بالعموم گوشت دو پہر تک آتا ہے جسے جلدی سے دھو کر کچھ زیادہ مقدار ہی میں پکانے کو رکھ دیا جاتا ہے۔ایک دو دن میں یہ جملے زور وشور سے سننے میں آنے لگتے ہیں کہ گوشت کھانے کو تو جی نہیں چاہا کاش دال سبزی پکائی جاتی یا سادہ چاول اور کھچڑی وغیرہ ہوتی۔

اگر گوشت کو پکانے میں ذرا توجہ سے کام لیا جائے تو یہ شکایت دور ہوسکتی ہے۔قربانی کے لئے فربہ جانور لائے جاتے ہیں جن میں چکنائی کی مقدار پہلے ہی زیادہ ہوتی ہے ۔ جب ان میں گھی یا تیل زیادہ ڈالا جاتا ہے تو یہ اس قدر مرغن ہو جاتا ہے کہ کھانے والے کو رغبت نہیں ہوتی ۔گوشت کی بوٹیاں چونکہ بڑی ہوتی ہیں اس لئے مکمل طور پر گل نہیں پاتیں یوں کھانے والا انہیں چھوڑ دیتا ہے۔

گوشت کو صاف کیا جائے ، بوٹیاں چھوٹی بنائی جائیں اور پھر اگر عام دنوں میں ایک کلو گوشت پکتا ہے تو تھوڑا سا بڑھا کر یعنی سوا یا ڈیڑھ کلو پکانے کو رکھا جائے ۔گھی یا تیل عام دنوں سے کم ڈالا جائے ،کھانے کے ساتھ سلاد بالخصوص کھیرا اور پتے وغیرہ ضرور رکھے جائیں۔اس طرح کھانے والے بڑے محظوظ ہوتے ہیں۔

عام دنوں میں ہمارا اکثر قصابوں سے جھگڑا رہتا ہے کہ ہڈی کم دیں یا بغیر ہڈی والا گوشت دیں لیکن قربانی کے گوشت میں ہڈیاں وافر مقدار میں آتی ہیں اگر تقسیم والے گوشت میں زائد ہڈیاں دی جائیں تو یہ احساس کچوکے لگاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں ایسی چیز کیوں دی۔میں بڑی بڑی ہڈیوں کو ایک طرف جمع کر کے رکھ لیتی ہوں ، پلاؤ یا بریانی بنانے کے لئے یخنی تیار کرتے وقت ان ہڈیوں کو دیر تک اُبالتی ہوں اور پھر نکال کر پھینک دیتی ہوں۔یوں چاول بڑے ذائقہ دار بنتے ہیں۔ممکن ہے میری دوسری بہنیں اس سے بھی بہتر طریقے اختیار کرتی ہوں گی مگر میں اپنے تجربات آپ کے سامنے رکھ رہی ہوں آزمائش شرط ہے نتائج یقیناً اچھے ہوں گے۔

☆☆☆

بقرعید کے خاص پکوان

ایرانی بریانی

اجزا: باسمتی چاول ایک کلو، گوشت (بکرے کا)2 کلو، گھی 2½ کپ ، پیاز ایک عدد ، ادرک 40 گرام ، دھنیا 40 گرام،لہسن 50 گرام،لونگ،دارچینی،الائچی،کالی مرچ ، زعفران ،ھرا دھنیا تھوڑی مقدار میں ، دہی ایک کپ،نمک حسب ذائقہ

ترکیب: پیاز کاٹ کر گھی میں براؤن کرلیں ۔آدھی پیاز وآدھا گھی علیحدہ نکال کر رکھ لیں ۔ بقایا پیاز میں ادرک،لہسن پیس کر ڈالیں ۔گوشت دھو کر ڈال دیں ۔ پسا ہوا دھنیا ، دہی ، گرم مصالحہ،نمک اور ہرا دھنیا ڈال کر دھیمی آنچ پر پکنے دیں ۔ گوشت سخت ہوتو تھوڑا پانی ڈال کر گلا لیں ۔ پانی خشک ہونے پر بھون کر اُتار لیں ۔

چاولوں میں نمک ڈال کر دو کنی ابال کر نچوڑ لیں ۔ کھلے منہ کے پتیلے میں چاول اور بھنے ہوئے گوشت کو تہہ بہ تہہ لگائیں ۔ ہر تہہ کے بعد تلا ہوا پیاز اور گھی جو پہلے سے نکال کر رکھے ہوئے تھے وہ بھی ڈالتے جائیں ۔

آخری تہہ پر زعفران کو تھوڑے سے پانی میں گھول کر چھڑک دیں اور چاولوں کو دم پر رکھ دیں ۔ جب دم کھولیں گے تو سارا کمرہ زعفران اور پلاؤ کی خوشبو سے مہک اٹھے گا ۔گرم گرم پیش کریں ۔

ہنٹر بیف

اجزا: گائے کی ران کا گوشت 2½ کلو کا ٹکڑا ، املی 250 گرام،نمک 200 گرام،نارنگی 4عدد، دو چار پتے تیز پات،تھوڑا سا قلمی شورہ ۔

ترکیب:قلمی شورے کو توے پر بھون کر باریک پیس لیں (یہ سفید رنگ کے کرسٹل سے ہوتے ہیں جو بھوننے کے بعد سیاہی مائل ہوجائیں گے)۔

پسا ہوا یہ شور گوشت پر لگا دیں ۔ نارنگی یا کینو کا جوس نکال کر اس میں نمک اور املی ملا کر گوشت پر ملیں اور کانٹے یا سوئے سے گودیں ۔ فریج میں رکھ کر روز باہر نکال کر الٹ پلٹ کر گودتے رہیں تین چار روز یہ عمل دہراتے رہیں ۔

گوشت کے ٹکڑے کو مضبوط سُتلی سے ٹائٹ کر کے لپیٹیں ایک دیگچے میں آٹھ کلو پانی ڈال کر اس میں گوشت کو پکنے دیں پکنے کی نشانی یہ ہے کہ کانٹا چبھونے سے گوشت بیٹھا رہے گا ورنہ اُٹھ کر اوپر آجائے گا پکنے پر ٹھنڈا کر کے تیز چھری سے سلائس کی شکل میں کاٹ لیں اور کھانے کے لئے پیش کریں ۔

ہنٹر بیف کی تیاری میں کئی دن لگ جاتے ہیں مگر یہ ہفتوں ٹھیک رہتا ہے کھانے میں بے حد لذیذ اور مختلف ذائقہ رکھتا ہے ۔اچانک مہمان آجائیں تو ان کے سامنے پیش کرنے

سے آپ کی سلیقہ مندی کی داد مل سکتی ہے۔

گوشت کے پسندے

اجزا: آدھ کلو پسندے کا گوشت ،لہسن ایک پوتھی، سبز الائچی 10 عدد، گھی ایک کپ، پیاز 2 عدد، ادرک پسا ہوا ایک چمچ، پسا ہوا گرم مصالحہ ایک چائے کا چمچ، دہی تین سو گرام ، (بیف کے پسندے زیادہ مزیدار بنتے ہیں)

ترکیب: گھی گرم کر کے پیاز تل کر بادامی کر لیں پھر گوشت ڈال کر ہلکی آنچ پر سرخ ہونے دیں پھر ادرک کا پیسٹ اور سبز الائچی پیس کر ڈال دیں پانی کا چھینٹا دے کر بھونیں ۔ پھر دہی ڈال کر بھونیں۔

جب دہی کا پانی خشک ہو جائے تو گرم مصالحہ اور نمک مرچ ملا دیں اور اتنا پانی ڈالیں کہ پسندے گل جائیں (پسندے جلدی گل جاتے ہیں لہٰذا تھوڑا سا پانی ڈالیں) پانی خشک ہونے پر بھون لیں جب گھی علیحدہ نظر آنے لگے تو اتار لیں گرم گرم روٹی یا نان کے ساتھ نوش فرمائیں۔

ثابت ران روسٹ

اجزا: چھوٹے بکرے کی ران وزن تقریباً 1½ کلو ، سرکہ ایک چائے کی پیالی، کالی مرچ ایک چائے کا چمچ، ادرک 100 گرام، نمک حسبِ ذائقہ، گھی آدھا پاؤ۔

ترکیب: ران پر چھری سے ایک ایک انچ کے فاصلے پر گہرے کٹ لگائیں ۔ ادرک کو باریک پیس کر اس میں نمک ، کالی مرچ، سرکہ ملا دیں۔ ان سب کو ران پر اچھی طرح مل دیں جو بچ جائے اس میں ران ڈال کر تقریباً چار گھنٹے تک فرج میں رکھ دیں۔

تقریباً تین گلاس پانی میں ران کو پریشر کوکر میں گلا لیں تقریباً 20 منٹ تک پریشر میں رہنے دیں۔ ایک بڑے منہ کے فرائی پان میں یا کڑاہی میں گھی یا تیل ڈال کر اس میں ران ڈال دیں اور اچھی طرح فرائی کریں۔ دونوں جانب سے سرخ ہونے پر ڈش میں نکال لیں آلو مٹر گاجریں باریک کاٹ کر ابال لیں پھر انہیں تھوڑے سے تیل میں فرائی کر کے ان کے اطراف میں پھیلا دیں اور کھانے کیلئے پیش کریں۔

گوشت کی چانپیں

اجزا: بکرے کے گوشت کی چانپیں ½ کلو، ادرک لہسن کا پیسٹ ایک بڑا کھانے کا چمچ، آلو ½ کلو، ڈبل روٹی کا چورا، نمک مرچ حسبِ ذائقہ ، تلنے کیلئے تیل ایک کپ ، انڈے 2 عدد۔

ترکیب: چانپوں کو دھو کر ادرک لہسن کے پیسٹ میں نمک مرچ ملا کر چانپوں پر لگا دیں اور تقریباً ایک گھنٹے تک رکھیں۔ کڑاہی میں تیل ڈال کر چانپوں کو پھیلا دیں اور ہلکی آنچ پر پکنے دیں۔ جب ایک طرف سے پک جائیں تو پلٹ دیں۔ اپنے ہی پانی میں گل جائیں گی۔ مسالحہ اور پانی خشک ہو جائے تو اتار لیں۔

آلوؤں کو اُبال کر پیس لیں ۔ ان پسے ہوئے آلوؤں کو چانپوں پر اس طرح لگا دیں کہ وہ سب کی سب کور ہو جائیں۔

انڈے پھینٹ کر چانپیں اس میں ڈبو کر ڈبل روٹی کا چورا لگائیں چاروں طرف چورا لگا کر گھی یا تیل گرم کر کے درمیانی آنچ پر تل کر گولڈن براؤن کر لیں۔ مزے دار چانپیں تیار ہیں گرم گرم کھانے کے ساتھ یا شام کی چائے کے ساتھ

بھی پیش کر سکتے ہیں۔

گوشت کو محفوظ رکھنے کا قدیم طریقہ

ایک کلو گوشت کے حساب سے ایک کھانے کا چمچ نمک اور آدھا چائے کا چمچ ہلدی ملائی جائے۔ گوشت کو تکوں کی طرح چھوٹی چھوٹی بوٹیاں بنا کر نمک اور ہلدی لگا کر جالی دار ٹوکری میں رکھ دیں تا کہ پانی نچڑ جائے۔

پھر موٹی سوئی اور مضبوط دھاگہ لے کر بوٹیوں کو قدرے فاصلے پر رکھ کر پرو لیں یا چارپائی پر صاف چادر بچھا کر گوشت کی بوٹیوں کو اس پر قدرے فاصلے پر رکھ کر بچھا دیں یا سایہ دار اور ہوادار جگہ پر ان دھاگوں کو جن میں گوشت پرویا ہوا ہے لٹکا دیں یا دو بانس گاڑ کر رسی کی طرح باندھ دیں۔ ایک ہفتے میں گوشت خشک ہو جائے گا کسی جار یا ڈبے میں محفوظ کر لیں۔ یہ گوشت سال بھر محفوظ رہتا ہے۔

مٹن قورمہ

اجزا: گوشت ½ کلو، پیاز 3 عدد، ادرک کا پیسٹ ایک کھانے کا چمچ، لہسن کا پیسٹ ایک کھانے کا چمچ، سبز الائچی چار عدد، پسا ہوا گرم مصالحہ ایک چائے کا چمچ، سبز الائچی چار عدد، کشمش بارہ دانے، زعفران ¼ چائے کا چمچ، کیوڑہ چار چائے کے چمچ، دہی ½ پاؤ، گھی ایک کپ، نمک مرچ حسب ذائقہ

ترکیب: پیاز لچھے دار کاٹ کر گھی میں فرائی کر کے گولڈن براؤن کر لیں۔ پیاز کو گھی سے نکال لیں اور گھی میں گوشت دھو کر ڈال دیں۔ رنگ بدلنے پر لہسن اور ادرک کا پیسٹ ڈال دیں۔ تھوڑا بھوننے کے بعد باقی مصالحہ اور دہی ڈال دیں دہی کا پانی خشک ہو جانے پر پسا ہوا پیاز اور نمک مرچ ڈال دیں اور بھونیں۔ پھر گلنے کیلئے پانی ڈال دیں۔ جب گوشت گل جائے تو کیوڑے میں زعفران اور سبز الائچی پسی ہوئی حل کر کے گوشت میں ڈال دیں۔

چند منٹ دم پر رکھ کر پسے ہوئے بادام ڈال دیں اور کشمش کو گھی میں تل کر ڈال دیں۔ دس منٹ دم پر پکنے دیں۔ لذیذ قورمہ تیار ہے روغنی نان یا پلاؤ کے ساتھ پیش کریں۔

نہاری

اجزا: بکرے کی ران کا گوشت 1½ کلو، چانپ کا گوشت 1 کلو یا گائے کی ران کا گوشت 2½ کلو بغیر ہڈی کے گھی، ایک کپ، پیاز 1½ کپ، سبز الائچی 5 عدد، دار چینی 2 ٹکڑے لونگ 5 عدد، تیز پات 2 عدد، ادرک کا پیسٹ 3 کھانے کے چمچ ہلدی ½ چائے کا چمچ، لہسن کا پیسٹ 3 کھانے کے چمچ، دھنیا پاؤڈر 2 چائے کے چمچ، دہی 2/3 کپ، مرچ ایک چائے کا چمچ، نمک حسب ذائقہ۔

ترکیب: پیاز باریک کاٹ لیں۔ آدھا پیاز گھی گرم کر کے اس میں ڈال کر ہلکا براؤن کر لیں اور ساتھ ہی گوشت، چانپیں یا بیف ڈال کر بھونیں تھوڑی دیر بعد اس میں بقایا کچا پیاز، لونگ، دار چینی، تیز پات اور الائچیاں بھی ڈال دیں۔ جب گوشت کا اپنا پانی خشک ہو جائے تو دھنیا، لال مرچ، نمک اور ہلدی ڈال دیں اب لہسن اور ادرک کی پیسٹ ڈال کر اتنا بھونیں کہ مسالحہ گھی چھوڑ دے۔ اب دہی پھینٹ کر ڈال دیں اور بھوننے کے بعد تین کپ گرم پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکنے دیں۔ جب گوشت گل جائے تو اس کو شوربے میں سے نکال لیں۔ بقایا آدھا گھی گرم کر کے آٹا، بیسن بھون لیں۔ چولہے

سے اتار کر قدرے ٹھنڈا ہونے دیں پھر شوربے کو چھان کر اس میں ملا دیں ۔ اچھی طرح حل کرنے کے بعد اس گریوی کو گوشت والے ساس پین میں ڈالیں ۔ گرم مصالحہ، الائچی اور جلوتری پسی ہوئی ملا کر پکائیں ۔ آٹھ دس منٹ پکا کر مناسب گریوی رہ جائے تو چولہا بند کر دیں ۔ نہاری تیار ہے ۔

نوٹ: ایک فرائی پیاز ، کٹے ہوئے لیموں، باریک ادرک کٹا ہوا، ہرا دھنیا باریک کٹا ہوا ایک ڈش میں سجا کر نہاری کے ساتھ پیش کریں ۔ نان کے ساتھ نہاری کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے ۔

سری پائے

اجزا: ایک بکرے کی سری اور چار پائے ، پیاز درمیانے سائز کے 3 عدد ، گھی ایک کپ ، نمک 1½ ٹی سپون ، مرچ 1½ ٹی سپون ، ہلدی ½ ٹی سپون ، سوکھا دھنیا 1 ٹی سپون ، سفید زیرہ 2 ٹی سپون ، ہری مرچیں 4 عدد ، ادرک لہسن پیسٹ 1 ٹیبل سپون ۔

سری پایوں کو پکانے سے پہلے ان کو تیز آنچ پر بھونا جاتا ہے پھر اس کے چھوٹے چھوٹے پیس کروا لئے جاتے ہیں ۔ سری پایوں کو پکانے سے پہلے یہ تسلی کر لینی چاہیے کہ ان پر بال نہ رہ جائیں اچھی طرح صاف ستھرا کر کے دھو کر اسے پکانے کے لئے تیار کریں ۔

ترکیب: پیاز کو باریک کاٹ کر گھی میں فرائی کر لیں ۔ ہلکا براؤن ہونے پر پانی کا چھینٹا دیں ، ادرک لہسن کا پیسٹ ڈال کر 2 سے تین منٹ تک بھونیں اور اس میں نمک ، مرچ ، ہلدی ، سوکھا دھنیا ، سفید زیرہ ، ہری مرچیں سبھی ملا دیں ۔

تیار شدہ مصالحے میں سری پائے ڈال کر 30 سے چالیس منٹ تک بھونیں تا کہ اس کی بساند ختم ہو جائے اور خوشبو آنے لگے اس دوران ہلکا سا پانی کا چھینٹا بھی دیتے رہیں جب دیکھیں کہ گھی الگ نظر آنے لگا ہے تو 5 سے 6 گلاس پانی ڈال کر اسے پریشر ککر میں چڑھا دیں اور پریشر بولنے کے بعد 30 منٹ تک پکنے دیں ۔

بے حد لذیذ پائے تیار ہیں ۔ نان اور روٹی کے ساتھ پیش کریں ۔

☆☆☆

محشرِ خیال

رفعت اشتیاق، گوجرہ

میں اکثر سوچتی تھی کہ جب کوئی مرجاتا ہے تو ہم اس کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے لیکن اُس کی زندگی میں اعتراف تک نہیں کرتے۔ بنتِ مجتبیٰ مینا صاحبہ کے بارے میں اگست کا شمارہ نظرنواز ہوا۔ ماشاءاللہ جس جس نے بھی لکھا خوب لکھا لیکن اُن کی زندگی میں بھی کچھ لکھا جانا چاہیے تھا۔ میرے خیال میں اس سے لوگوں کو آگے بڑھنے میں مدد ملتی ہے، حوصلہ بڑھتا ہے اور یہ لکھا ہوا نسخۂ کیمیا کا کام دیتا ہے۔ دعا کرتی ہوں کہ مینا باجی کو رب کریم عظیم درجات سے نوازے۔ آمین۔

ہر ماہ بتول بہت دیر سے ملتا ہے جس کی وجہ سے تبصرہ لکھنا نہایت مشکل ہوتا ہے۔ کافی انتظار کے بعد سترہ کی شام کو بتول کا چہرہ دیکھنا نصیب ہوا۔ اداریہ پڑھ کر حالات کے گھُپ اندھیرے میں روشنی کی کرن نظر آئی۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ آمین ایمان والوں کو نا اُمید نہیں ہونا چاہیے یہ ایسا قلمی جہاد ہے جس سے ہم جیسے اُمتِ مسلمہ کا درد رکھنے والوں کے حوصلے بلند ہوتے ہیں ڈاکٹر گوہر مشتاق کا ''الیکٹرانک میڈیا کے اثرات''، مفتی مطیع الرحمٰن کا ''عورتوں کو وراثت سے محروم کرنا'' مفید مضامین ہیں۔ بلوچستان کے دل شکن حالات میں رابطہ عوام مہم پڑھنے کے بعد محسوس ہوا کہ اگر حکومت پاکستان بھرپور طریقے سے اس صوبے کی پاسداری کرے تو حالات بہتری کی طرف جاسکتے ہیں ''کھٹک سی ہے جو سینے میں'' ڈاکٹر بشریٰ تسنیم صاحبہ کی کہانی بہت عمدہ ہے یہی کھٹک ہی تو مومن کی جمع پونجی ہے بشریٰ صاحبہ! اب تو آپ سے ملنے کا اشتیاق بڑھ گیا ہے۔ لکھتی ہیں ''انسان کا ذہن، سوچ فکر اور ادراک جس راستے پر چل پڑے ویسے ہی مناظر نظر آتے ہیں۔ انسان جس راستے پر جس منزل کا راہی ہوگا، اُسی راستے اُسی سمت کے اسٹیشن نظر آتے ہیں۔ سب مسافر بھی ایک ہی جیسے اسٹیشن اور مناظر دیکھیں گے۔ ایک ہی منزل کے راہی فکر ونظر کے بھی ہم راہی ہوتے ہیں''۔ ''اہل وطن کا سر بلند کرنے والے چند باہمت نوجوان'' سمیت باقی تمام سلسلے ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ ستمبر کا بتول مجموعی طور پر شاندار رہا آخر میں تمام بتول پڑھنے والوں سے التجا ہے کہ قانتہ رابعہ بہن کے لئے خصوصی دعا کریں اُن کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور قصدِ بیت اللہ اور حجازِ مقدس ہے انشاءاللہ۔

شازیہ اویس۔ ملتان

جولائی کا خصوصی شمارہ ''بنت مجتبیٰ مینا کی یاد میں'' ایک یادگار اور قاری کے قلب وذہن پر گہرے اور ان مٹ نقوش چھوڑنے والا شمارہ تھا۔ اس کے مضامین پڑھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ محترمہ بنتِ مجتبیٰ مینا صاحبہ کی خوبیوں کا کونسا پلڑا زیادہ بھاری ہے ان کی دین کو پھیلانے کی بے لوث خدمت یا ان کی

بے پناہ خوبصورت انسانی جذبات و احساسات سے بھرپور شاعری جو عام شعراء کی شاعری سے ہٹ کر اعلیٰ اقدار کی ترجمانی ہے۔ وہ ایک دوریش صفت خاتون تھیں۔ ان کی ایک بہت بڑی خوبی سسرال سے حسن سلوک تھا، کہ بہو ہیں تو ساس کی معذوری سے پہلے اور بعد میں ایسی خدمت کی کہ کوئی بیٹی بھی نہ کر سکے اور جب ساس بنیں تو ہمارے اس ہندوانہ رسم و رواج میں جکڑے ہوئے معاشرے میں اک انوکھی مثال قائم کی جس کے بارے میں محترمہ فرات غضنفر صاحبہ نے گواہی دی ہے۔ مینا صاحبہ نے نہ صرف اپنی اولاد بلکہ ''نور'' رسالہ کے ذریعے بہت سارے بچوں کی دینی تربیت میں اہم کردار ادا کیا اور رہنمائی کی اللہ تعالیٰ ان سب کو مینا آپا کے لئے صدقۂ جاریہ بنادے آمین۔

مسفرہ اسلام۔ کراچی

ایک لمبے وقفے کے بعد ستمبر کا بتول پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی تمام تحریریں بہترین تھیں خصوصاً حمیرا ثاقب کا افسانہ ''سب کچھ لٹا کے'' اور باقی تحریروں میں ''چند باہمت نوجوان'' اور ''ریت کا ذرہ'' بہت پسند آئیں۔'' بتول میگزین ایک اچھا سلسلہ ہے۔

☆☆☆

بتول میگزین

غیرت کے نام پر قتل کیوں؟

(رابی سحر۔ جڑانوالہ)

ابھی حال ہی کا واقعہ ہے کہ جواں سالہ میٹرک کی طالبہ ایک نوجوان کے ساتھ بھاگ گئی انہوں نے شادی کر لی۔ گھر والوں نے دونوں کو ڈھونڈا۔ لڑکی اور لڑکے دونوں کا مار دیا۔ اس طرح کے واقعات ہمارے معاشرے میں آئے روز کسی نہ کسی صورت میں رونما ہوتے رہتے ہیں۔ کوئی بھاگ کر پسند کی شادی کرتا ہے ہاتھ آنے پر مارا جاتا ہے، کوئی ہاتھ نہیں آتا تو زندگی بھر کی لعن طعن اور بد دعائیں سنتا ہے۔ کوئی پسند کی شادی نہ ہونے پر خودکشی کر لیتا ہے۔ کسی لڑکی یا لڑکے کی پسند واضح ہونے پر اُس سے قطع تعلقی کر لی جاتی ہے حتیٰ کہ اُن کے اور والدین کے درمیان نفرت اور دشمنی کا ناسور جنم لیتا ہے جو دونوں کو دیمک کی طرح کھا جاتا ہے اور معاشرے کی اخلاقی اقدار کی دھجیاں اڑ جاتی ہیں۔ بھاگ کر شادی کرنا، ذات برادری کا لحاظ، طبقاتی کشمکش، نام نہاد عزت، غیرت جیسی غیر ضروری وجوہات کی root cause کیا ہیں؟ اس کی دو بڑی وجوہات ہیں جس میں پہلی اولاد کی تربیت۔ قرآنِ حکیم میں واضح ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

''بیشک تمہاری اولاد اور تمہارا مال تمہارے لئے آزمائش ہے''

تو قرآن کی اس آیت کے پیش نظر مال کی پاکیزگی، برکت اور شر سے بچاؤ کے لئے زکوٰۃ اور صدقہ دیا جاتا ہے۔ اولاد کی آزمائش میں امتحان سے بچنے کے لئے ان کی تربیت، ذہنی پرداختگی، اخلاقی پرورش اور روحانی تعلیم دی جاتی ہے۔'' ماں کی گود، بچے کی پہلی درسگاہ ہے۔'' ماں اگر چاہے تو اچھی تعلیم و تربیت کر کے اپنی اولاد کو اپنے لئے اور اپنے خاوند، گھر اور معاشرے کے لئے باعثِ سکون، راحت بنا سکتی ہے جبکہ وہ اپنے اندر احساسِ ذمہ داری رکھتی ہو۔

دوسری وجہ دینِ اسلام کے طور طریقوں، عائلی زندگی اور معاشرتی زندگی کے زاویے سے دوری، اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگی کا نہ ہونا ماں اگر اسلامی رسم و رواج، عائلی اور معاشرتی ضابطوں سے آگاہ ہوگی تو اس کے لئے اپنی اولاد کی تربیت کرنا آسان ہوگا۔

بچے کی تربیت میں ماں اور باپ دونوں کو اپنے فرائض سے آگہی کا احساس ہونا چاہیے۔ والدین اپنے بچوں کو اپنے ساتھ محبت، پیار اور شفقت سے قریب کریں نہ صرف اُن کے بہترین دوست بنیں بلکہ ان کے ذہنوں کی پرورش اسلامی طور طریقے سے کریں تو انشاءاللہ العزیز اُن کو کبھی بُرے دن دیکھنے نصیب نہ ہوں اور نہ ہی غیرت کے نام پر اپنی اولاد کو قتل کرنا پڑے گا۔

غیرت کے نام پر قتل کیا ہے؟ ارے یہ کون سی غیرت کی بات کرتے ہیں۔ اسلام میں ہر بالغ لڑکی اور لڑکے کو اپنی پسند کا اظہار کرنے کا حق ہے اور تب غیرت کہاں ہوتی ہے جب جوان بچیوں اور بچوں کے ہمراہ بیٹھ کر فحش گوئی کے پروگرام ٹی وی اور انٹرنیٹ پر دیکھے جاتے ہیں جب بچیوں کو نام نہاد فیشن کے نام پر ننگا کر دیا جاتا ہے اور لڑکوں کو ریشمی لباسوں، لمبے بالوں، داڑھی کا مذاق اڑانے تک کی اجازت دے دی جاتی ہے۔ خود اپنی عائلی زندگی میں اتنی بے ضابطگیاں اور لا پروائیاں برتی جاتی ہیں کہ کیا بتایا جائے۔

بحیثیت معاشرے کا فرد ہونے پر ہمیں اپنے اندر احساس کو بیدار کرنا ہے اپنے ضمیر کی دبتی اور سانس گھٹتی آواز کو سننا ہے تاکہ بہتری ممکن ہو، تبدیلی ہر انسان کے اندر سے آئے گی تو ظاہر ہوگی۔ باہر سے کوئی آ کر کبھی تبدیلی نہیں لاتا۔ اللہ پاک ہم سب کو ہدایت کا ملہ اور ذمہ داری نبھانے کی توفیق دے آمین۔

مت پوچھیئے!

(عظمیٰ آفرین۔ کراچی)

ماں وہ ہستی ہے جس کی سب عزت کرتے ہیں مگر ایک عورت وہ ہے جو شادی کے بعد ماں نہیں بن پاتی۔ جن گھروں میں تعلیم و شعور کا فقدان ہوتا ہے وہاں ایسا ہوتا ہے کہ کچھ دنوں کے انتظار کے بعد ماں نہ بننے کے جرم میں جو سزائیں اسے دی جاتی ہیں وہ یقیناً نا قابل معافی ہیں، ایسا لگتا ہے کہ جیسے وہ ٹارچر سیل میں جی رہی ہے، ساس ہر وقت بیٹے کو دوسری شادی کا مشورہ دے رہی ہے بیٹے کا موڈ ہر وقت خراب رہنے لگتا ہے کہ بیوی کو شوہر سے بات کرنے کی ہمت ہی نہیں ہوتی۔ کہیں کسی کے گھر یا تقریب میں چلی جائے تو الگ ایک عذاب، سوالوں کی بوچھاڑ اور مشورے ارے بھئی علاج ولاج کرایا یا نہیں فلاں ڈاکٹر کو دکھاؤ، یہ کرو وہ کرو ہر عورت اس کو مشورہ دیتی نظر آتی ہے خود ہی اس کی ڈاکٹر بن رہی ہوتی ہے۔ اب وہ بے چاری چپ چاپ سب کی سن کر ہوں ہاں کرتی رہتی ہے وہاں سے اٹھتی ہے تو مختلف آوازیں اس کی سماعت سے ٹکراتی ہیں'' ہائے شادی کو اتنے سال ہو گئے، مرجھا کر رہ گئی ارے چھوڑو اس کی ماں فساد کی جڑ تھی ہر کسی کی لڑکی کو کچھ بھی کہہ دیتی تھی اب پتا چلانا جب اپنے آگے آ رہا ہے۔''

وہ عورت جو اولاد کی نعمت سے محروم ہے خود محتاج توجہ ہے، ہمدردی کی مستحق ہے خود وہ بچوں کے لئے ترس رہی ہے اس کی بھی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی اسے ماں کہہ کر آواز دے۔ دوسری طرف ہر لمحے کا خوف اسے مارے دیتا ہے کہ کہیں شوہر دوسری شادی نہ کر لے، مجھے چھوڑ نہ دے، اس بات سے سہم کر چپ چاپ ظلم سہتی رہتی ہے حقیقت میں ماں کا لفظ سننے کے لئے اس کے اپنے کان ترس رہے ہوتے ہیں کانوں میں ماں ماں کی آوازیں گونج رہی ہوتی ہیں۔

یہ وہ ماں ہے جو بہت مظلوم ہے آپ سے گزارش ہے کہ مت پوچھا کریں کسی بے اولاد عورت سے کہ علاج کرایا یا نہیں فلاں ڈاکٹر کو دکھاؤ، فلاں مولوی کے پاس جاؤ یہ وظیفہ پڑھو وغیرہ وغیرہ ہاں اگر کوئی خود آپ سے مشورہ مانگے تو ضرور دیجئے یہ جملے دل کے پار ہو جاتے ہیں خود سوچیں جو عورت اولاد کی نعمت سے محروم ہے وہ بھلا خود چین سے بیٹھے گی۔ وہ کیا

سب گھر والے پریشان ہوکر ہر جگہ علاج کے لئے نہ گئے ہوں گے۔اب کیا آپ کے کہنے پر جائیں گے۔اور مت کسی کی بیٹی کو نشانہ بنائیں آپ کی بھی بیٹیاں ہیں، خدا جانے شادی کے بعد اللہ کس کو اولاد دے یا کس کو نہ دے اس لئے ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

اقبال کا شاہین، آج کا!!!

(ارم آصف صدیقی۔ریاض)

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے، بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

یہ وہ سبق ہے جو آج سے تقریباً سو سال قبل علامہ اقبال نے مسلمان نوجوان کو پڑھانے کی کوشش کی تھی کہ اُس وقت کے نوجوان نے شاہین بن کر دکھایا اور زندگی کے ہر محاذ پر اپنی کامیابی کو لوہا منوایا۔ چاہے وہ قلم کا میدان ہو یا قانون یا پھر سیاست کا، مسلم نوجوان نے اقبال کے اس قول کو سچ کر دکھایا۔

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد

مگر افسوس! کہ اقبال کا یہ شاہین آج زاغ بن کر رہ گیا ہے اسے صرف اپنے حسن، اسٹائل اور اپنے فیشن کی پرواہ ہے مگر آج اس کا مطمع نظر صرف ایک ڈگری، اچھی نوکری کا حصول، امریکہ یا کینیڈا کی امیگریشن اور لڑکیوں سے عشق و محبت کی پینگیں بڑھانا رہ گیا ہے۔ وہ شاہین کے جسے اپنے وطن کی سرحدوں کی حفاظت کرنا تھی، حصول علم کے بعد اپنے ملک کو ترقی دینا تھا، غریبوں اور کمزوروں کے حقوق کی خاطر لڑنا تھا اور اسلام کا علم بلند کرنا تھا۔ افسوس کہ آج کا یہ پاکستانی نوجوان یہود و ہنود کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس چکا ہے۔ اُس کی صبحیں، اُس کی شامیں موبائل فون کے بٹن دباتے اور بے مقصد میسیجز کرتے گزرتی ہیں۔ اُس کی راتوں کی نیند ٹی وی کے چینلز اور انٹرنیٹ نے چھین لی ہے۔ آج کا یہ نوجوان نہ تو والدین کے مقام و مرتبے سے واقف ہے اور نہ ہی اُستاد کی اہمیت اور رتبے سے۔

لیکن ہمارے وطن میں کچھ نوجوان ایسے بھی ہیں جو اپنے دین و وطن سے پیار کرتے ہیں، اُس کی خاطر قربان ہونا جانتے ہیں اور روشنی کی ان ہی کرنوں کو سمیٹ کر ہمیں شمع کی صورت دینا ہے۔ ایک ایسی شمع جس کے دم سے نہ صرف ہمارے وطن میں بلکہ پوری دنیا میں اُجالا ہو جائے۔ آمین

منزل خواب

(نثری نظم) (میمونہ اعظم گجرات)

اک دل کی تپش ہے
کہ کچھ کرنے نہیں دیتی
اک خواب کی منزل ہے
کہ ہر وقت رکھتی ہے بے تاب اک الاؤ سا ہے دہکا ہوا
الفاظ میں میرے
اک آگ سی جلتی ہے خیالوں میں کہیں
ترتیب سے عاری ہیں سبھی سوچیں
خواب کی منزل پہ آن کے رک جائیں
قافلے سبھی جذبوں کے

وہ خواب جو حسرت سے مزین ہے
خواہش سے عبارت ہے جس کی پہنائی
وہ خواب جو دل میں اتر کر
ناشاد سا پھرتا ہے
بے تابیِ دل کو کرتا ہے سوا
اور درد کی محفل کو آباد ہی رکھتا ہے
وہ خواب جو جذبہ بھی ہے
اور شوقِ دروں بھی
اے کاش کہ رہ جائے نہ یہ خواب ادھورا
مل جائے مرے خواب کو تعبیر!

اے انا پرستو

(نثری نظم) (عمارہ احسن۔لاہور)

اے میری دنیا کے انا پرستو
گرا تنا جان پاؤ تم
انا کے اس بت کا سایا
تمہارے اصل کو ڈھانپ لیتا ہے
کبھی مدہم سروں کی صورت
کبھی چنگھاڑتے الفاظ میں
یہ انا کی سازش
تمہیں تسکین دیتی ہے
محض تین حرفوں کی یہ انا
کئی آہیں، کئی چیخیں تمہارے نام کرتی ہے
خواہش کے چراغوں کو
کبھی جلنے نہیں دیتی
خلیلؑ اللہ کی سیرت پر
اس انا کے بت کو بھی
کبھی تو توڑ ڈالو تم.....!

ٹوٹتا ہوا خاندانی نظام (حصہ اول)

(ڈاکٹر عذرا یاسمین۔ریاض)

لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیئے اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو اور رشتہ، قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔ بے شک اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔ (سورۃ النساء)

ایک خاندان کی بنیاد ایک مرد اور ایک عورت کا اشتراک ہے۔ اسلام نے ان کے درمیان مؤدت و رحمت کا رشتہ رکھ کر اس کو مضبوط کر دیا، ہر فرد کے حقوق و فرائض متعین کر دیئے اور اس طرح کہ شوہر کے فرائض بیوی کے حقوق اور بیوی کے فرائض شوہر کے حقوق بن گئے۔ والدین کے فرائض اولاد کے حقوق اور اولاد کے فرائض والدین کے حقوق بن گئے۔ جب انسان فرض بندگی کے ساتھ اللہ سے ڈرتے ہوئے زندگی کے دیگر فرائض ادا کرتا ہے تو اسے اپنے حقوق مل جاتے ہیں۔ اسلام نے عورت و مرد کا دائرہ کار بتا دیا، اللہ تعالیٰ نے جہاں مرد کو قوام بنایا وہاں عورت کو گھر کی ملکہ ایک طرف مرد کی آمدنی کا وہ حصہ جو وہ اپنے اہل خانہ پر خرچ کرتا ہے بہترین صدقہ قرار پایا تو دوسری طرف ایسی عورت جو اپنی عزت کی حفاظت شوہر کے مال و اولاد کی نگہبانی کرے تو جنت کی مستحق ٹھہری۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنا حق بیان کرنے کے فوراً بعد والدین کے حقوق بتائے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے''والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں ''اُف'' تک نہ کہو نہ انہیں جھڑک کر جواب دو بلکہ ان سے احترام سے بات کرو اور نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھکے رہو (سورہ بنی اسرائیل) آپ ﷺ نے والدین کو اولاد کی جنت اور دوزخ قرار دیا۔ باپ کی ناراضگی اللہ کی ناراضگی ٹھہری۔اولاد یک تعلیم وتربیت ،اچھا نام اور بہتر جگہ شادی کرنا والدین کے فرائض قرار پائے اس طرح ایک مضبوط ومربوط خاندانی نظام وجود میں آیا جسے ایک دوسرے کے فرائض کی ادائیگی سے استحکام ملا۔ یہ ہے اسلام کا دیا ہوا بہترین خاندانی نظام۔

وَجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا

(اے ہمارے رب) اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا

(رضوانہ اعجاز۔دمام)

آج پوری امت مسلمہ، ذلت ومسکنت اور اللہ کے غضب سے گھری ہوئی ہے کوئی نکلنے کی صورت نہیں نظر آتی یہ حالات دیکھ کر دل بیٹھنے سا لگتا ہے۔ بے چینی ..... مایوسی اور پھر اپنے وطن کا حال، قائدین کی تو بھرمار لیکن صالح قیادت کا فقدان جو اپنے مفاد سے بالاتر ہو کر حالات کا صحیح ادراک کر سکیں اور اسی پٹڑی پر لائیں جہاں سے اتری تھی لیکن یہ صلاحیت تو اللہ اُسی کو دے گا جو اُس کے خوف سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں:''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم خدا ترسی اختیار کرو گے تو اللہ تمہارے لئے کسوٹی بہم پہنچا دے گا'' (الانعام۲۲) اسے اگر ہم امام المتقین سید المصطفیٰ ﷺ کی سیرت پاک کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ کیسے آپؐ ہر وقت اسلام کو غالب کرنے اور کفر کو ختم کرنے کی فکر میں نظر آتے ہیں ، ہر لمحہ حالات سے باخبر رہنا کہ کفر کس وقت کہاں اور کس شکل میں اسلام کے خلاف کام کر رہا ہے اور اس کے حساب سے زیر کی سے معاملات سلجھانا کہیں زبان سے، صلح کے معاہدوں سے ،حلیف بنا کے، کبھی خط وکتابت سے اور کبھی تلوار سے، قلیل ترین ذرائع و وسائل کو خلوص کے ساتھ اللہ کے بھروسے پر استعمال کر کے بہترین نتائج کو حاصل کرنا.....اپنے زیر تربیت اماموں کی جماعت کے ساتھ، تھکن کا کہیں اظہار نہیں بغیر ستائے بس ایک ہی فکر کہ اللہ کی زمین پر اللہ کا دین غالب ہو جائے۔اپنی ہر خواہش کو اس خواہش پر تج کر کے لاعیش الاعیش الاخرۃ اس دنیا کی زندگی سے کچھ نہ چاہا اور پھر ان اماموں کی صحبت میں رہنے والے امام بھی ایسے اٹھے کہ جن کی نظر میں ایران کی سلطنت (اُس وقت کی سپر پاور) اور اس کے خزانوں کی اہمیت کٹے ہوئے ناخن کی طرح تھی..... یہ ہوتی ہے پرہیز گاروں کے اماموں کی شان .....پھر جیسے جیسے امت دنیا میں غرق ہوتی گئی تو یہاں سے جانے کی فکر ماند پڑنے لگی.....یعنی وھن (سستی) کا مرض لگ گیا ..... پھر زندگی کے اونچے معیارات نصب العین بننے لگے ان کو پانے کے لئے بہترین وقت اور صلاحیتیں کاروباروں کو سجانے پر صرف ہونے لگیں اور اسی غرض کے لئے ،اعلیٰ ڈگریوں کا حصول..... جب گھروں کو بسانے کے وقت آئے تو رسم ورواج کی بھرمار میں اسلامی اقدار کی کرچیاں بکھیر دی جائیں تو ایسے گھروں سے تو شیطان

کے آلہ کار ہی جنم لیں گے ۔ ہر سہولت آسائش اچھا مقام میرے اور میرے خاندان کے لئے ،حق و ناحق ،حلال وحرام سے کوئی غرض نہیں جب پیٹوں میں حرام جانے لگے اور لوگ ایک دوسرے کو برائی سے روکنے اور نیکی کی تلقین کرنا چھوڑ دیں تو وہ جو شہ رگ سے بھی نزدیک ہے پکار کو نہیں سنتا.....ہوائے نفس کے حوالے کر دیا جاتا ہے اور وہ اسفل السافلین پر جا کر ہی دم لیتا ہے اور کوئی قوم جب ایسے افراد پر مشتمل ہو تو اللہ کی ناراضگی سے نہیں بچ سکتی.....اور وہ نشان عبرت ہم بنے ہوئے ہیں کہ باوجود کثیر تعداد کے دوسری قومیں ٹوٹی پڑ رہی ہیں..... امت کی اس کشتی کو منجدھار سے پرہیز گاروں کے امام ہی نکال سکتے ہیں.....تو کیا صرف دعاؤں سے کام چل جائیگا؟.....اس کے ساتھ دوا کی بھی ضرورت ہے جو اس حکیم نے نسخۂ قرآن کی صورت میں دے دیا ہے کس وقت کتنی خوراک لینی ہے اور پھر گناہوں سے پرہیز بھی .....تبھی مرض وھن سے انشاء اللہ چھٹکارا پایا جا سکتا ہے ۔اس کے بعد جو شفایاب قوم نکلے گی اس کا ہر فرد پھر بقول شاعر ایسا ہوگا کہ

دے کے احساسِ زیاں تیرا لہو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

☆☆☆

اے عازمینِ حج

حج اسلام کا ایک اہم رُکن ہے جو استطاعت رکھنے والے ہر مسلمان پر فرض ہے۔جس کے بارے میں ہر مسلمان کو یقینِ کامل ہے کہ وہاں مانگی ہوئی ہر دُعا شرف قبولیت پاتی ہے اور انسان کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

ہم سنتِ ابراہیمی کے پیروکار ہیں اسوۂ حسنہ کے نقوش اپنی زندگیوں پر اُجاگر کرنے والے ہیں۔حرمِ کعبہ کا طواف کرنے والے ہیں۔اپنی زندگی کے ہر موقع پر، ہر قدم پر اپنے پیارے نبیؐ کی سنتوں کا اعادہ کرنے والے ہیں۔بازار میں مَیں اکثر خریداری کرتے ہوئے اس دکان پہ جانے کو زیادہ ترجیح دیتی ہوں جہاں دکاندار موصوف کے چہرے پر داڑھی ہو ۔ایک یقین سا ہوتا ہے کہ یہ شخص ضرورت سے زیادہ منافع نہیں لے گا اور بیکار کی بحث،یعنی چیزوں کی لایعنی افادیت پہ روشنی ڈالتے ہوئے نہ اپنا وقت ضائع کریگا اور نہ میرا۔

لیکن بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بارہا میرا یقین تار تار ہوا۔اعتبار کو ٹھیس پہنچی کہ ہم میں سے اکثر نے داڑھی کو ہی نیک نامی کی علامت بنالیا ہے اور اپنے عارضی فائدوں کے عوض اس کی اصل روح کو مار دیا ہے۔

میرا بڑا قریب کا مشاہدہ ہے کہ ہمارے اردگرد تبلیغ کا فریضہ سرانجام دینے والے اپنی عملی زندگی میں قول وفعل کے کتنے تضاد کا شکار ہیں۔

اسی طرح سے عمرہ اور حج بھی ہمارے لئے سٹیٹس سمبل ہی بن کر رہ گیا ہے۔معاشی لحاظ سے ہمارا ملک بے حد خستہ حال ہے۔بڑھتی ہوئی قیمتوں نے زندگی کو مشکل کر دیا ہے ان حالات میں اسراف کی ایسی ایسی مثالیں ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔مثلاً یہ کہ

ہم حج کے موقع کو کم وبیش شادی کی تقریب ہی سمجھنے لگے ہیں ۔حج پہ جارہے ہیں تو قرآن خوانی اور پر تکلف دعوت ضروری ہے۔پورے گاؤں کو نہیں تو تمام رشتہ داروں کو دعوتِ عام ضرور دی ہے۔آج کے مصروف ترین دور میں کسی کے پاس وقت ہے یا نہیں مگر اس تقریبِ سعید سے محروم نہیں رہنا چاہیے۔اب گھر میں اگر یہ فریضہ ساس،سسر ادا کر رہے ہیں تو لازم ہے کہ بیٹے بیٹیوں کے سسرال میں سے کوئی تحفہ تحائف کے بغیر تشریف نہ لائے ۔مٹھائی اور فروٹ کی ہمراہی بھی ضروری ہے،اگر کوئی موصوف ایمرجنسی میں تشریف لانے کی غلطی کر رہے ہیں تو نقد میں اپنا فرض ادا کر کے رخصت ہوں بصورتِ دیگر وہاں آپ کی بہن بیٹی کی عزت کا گراف صفر پہ رہ جائے گا اور وہ بے چاری اس مقابلے کی فضا میں اپنی نظریں چُراتی پھرے گی۔

اگر آپ کا داماد اور بیٹی اس نیک سعادت سے بہرہ ور ہو رہے ہیں تو بھی آپ پہ لازم ہے کہ تمام سسرال کے تحائف

بیٹی اور اس کے میاں اور بچوں کے شاندار سے کپڑے ہونے چاہئیں ۔نہیں تو خدا تو ناراض نہیں ہوگا البتہ اُس بیچاری کی نہ ناک رہے گی نہ گھر میں سکون اگر آپ کی مالی حالت مستحکم ہے تو یہ خوشیاں بانٹنے کے بہانے اور اگر آپ سفید پوش ہیں تب بھی آپ نے ان اقدار کا ساتھ تو دینا ہی ہے۔خواہ آپ کتنی ہی مشکل میں پڑیں۔

بچے کے پیدا ہونے پہ ختنے کرنے سے لے کر عقیقہ کرنے تک ایسی ہی نادر مثالیں موجود ہیں۔

عقیقہ کیا جارہا ہے، ملک کے مصروف گانا گانے والے گروپ کو مدعو کیا جارہا ہے۔ پوری پوری بسیں بھر کر آرہی ہیں ۔سونے کے سیٹ اور دس دس ہزار کے گفٹ دیئے جارہے ہی ۔ ہمارا ملک ترقی پذیر ہے۔بھوک اور ننگ کے روزانہ ہر گھنٹے کے بعد کئی کئی بم بلاسٹ ہورہے ہیں۔عقیقے جیسی ایک اسلامی رسم کی ادائیگی کے لئے صرف ایک قسم کے کھانے پر اکتفا نہیں کیا جاتا۔میٹھی ڈشیں بھی ایک نہیں دو دو ہونی چاہئیں۔

حکمرانوں کے افعال پہ کیوں رونا رویا جائے جبکہ اردگرد یہی سب کچھ ہورہا ہے۔اصراف،فضول خرچی،نمود ونمائش۔

حج اور عمرہ سے واپسی پہ پھر ایک دفعہ دعوتِ خاص کا عمل شروع ہوجاتا ہے پہلے آپ دعوت وطعام کا انتظام لوگوں کے لئے کریں، اب آپ کی عزت وتکریم کے اضافے کے لئے جگہ جگہ گھر گھر پُرتکلف دعوتوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے جس میں آپ خالی ہاتھ نہیں جائیں گے حسبِ مراتب دوپٹے ، سوٹ، ٹوپیاں ،تسبیحات، کھجوریں، آبِ زم زم، جائے نماز کے بغیر جانا آپ کی توہین ہے۔

بیٹی بہوؤں اور دامادوں کے لئے بھی آپ کسی عام سے تحفے کے ساتھ تشریف نہیں لا سکتے۔ بہو کی تو خیر ہے اگر وہ آپ کے اچھی طرح سے زیر دام ہے پھر کوئی مسئلہ نہیں۔البتہ داماد حضرات کے لئے آپ بوسکی، کرنڈی کے سوٹ راڈو کی گھڑیاں اور دیگر اہل خانہ کے لئے بھی بہترین تحائف لائیے ورنہ آپ اپنی بیٹی کی سبکی کے لئے تیار رہیے۔

ہم نے دینی امور میں بھی اپنی اجارہ داری قائم کرلی ہے ۔کسی بھی عبادت کی اصل روح کو جانے بغیر اسے دنیا کے دکھاوے اور واہ واہ کا سبب بنالیا ہے۔

ہمارے دلوں میں کوئی بھی فریضہ ادا کرنے کے بعد کوئی نرمی نہیں آتی ہمارے اندر محبت کے سرچشمے نہیں پھوٹتے، ہمارا نفس بے لگام ہی رہتا ہے، ہمارے دلوں میں پہلے جیسی ہی تنگی رہتی ہے، ہمارے اندر کدورتوں کے تناور درخت اپنی انا کے ساتھ ویسے ہی قائم ودائم رہتے ہیں، ہماری سوچ میں وسعت پیدا نہیں ہوتی ہمارے ظرف میں کوئی بلندی نہیں آتی، ہمارے اندر کی ''مَیں'' میں کوئی پسپائی نہیں ہوتی، کیوں؟

فریضہ حج سے واپسی پر بھی ہمارے معاملات زندگی ، گھریلو، معاشی ، معاشرتی ، اخلاقی ، سیاسی رویے ویسے کے ویسے ہی رہتے ہی حج کی برکتوں سے، ہماری زندگیوں میں کوئی انقلاب برپا نہیں ہوتا۔

ایک محترمہ بہت قریب کی جاننے والی ہیں، مناسکِ حج ادا کررہی ہیں اپنے شوہر اور ساس کے ہمراہ، بیٹا اپنی ماں کی جگہ جگہ مدد کررہا ہے ۔موصوفہ کو کسی جگہ اپنی بزرگ ساس کا خیال رکھنا پڑا، قافلے سے دور رہ گئیں اور لگیں ضعیف و بزرگ

ہستی کو کوسنے، آپ کو کیا ضرورت پڑی تھی حج کرنے کی! آپ کی جگہ تو کسی اور کو حج کروادیا جاتا تو بہتر تھا۔

ان خوبصورت، الفاظ کی ادائیگی سے اُن کی ساس کی جو دل آزاری ہوئی، کیا وہ الفاظ اس مقدس جگہ کیلئے مناسب تھے ؟ کیا لاکھوں روپیہ کی ادائیگی صرف اس مقصد کے لئے کی جاتی ہے کہ ہمیں لوگ نیک سمجھیں، یا ہمیں حاجی صاحب یا حاجن صاحبہ کہہ کر پکارا جائے کہ یہ بھی ایک نیک نامی کا لیبل ہے۔ کئی دفعہ ہم دوسرے کے کردار کی خوبصورتی اور پاکیزگی سے خوفزدہ ہوکر بُرے اعمال کا شکار ہو جاتے ہیں ضروری تو نہیں کہ کوئی انسان آپ کے بنائے ہوئے خاکے اور سانچے کے مطابق ہی اچھائی کے پیمانے پر پورا اُترتا ہو۔ ہوسکتا ہے وہ اپنے بہت سے ایسے اعمال کی بنا پر جو آپ کی نظر سے پوشیدہ ہیں، خالق کے پسندیدہ بندوں میں شامل ہو۔

صرف اپنے اعمال پر نظر رکھیں اور اُن کی جوابدہی کے بارے میں سوچیں۔ اس لئے اے عازمین حج، اے صفا و مروہ کے درمیان دوڑنے والو! باب ملتزم پر اللہ کو پکارنے والو! سنتِ ابراہیمی کے پیروکارو! اپنی پیاسی نگاہوں کو، بیت اللہ کی زیارت سے سیراب کرنے والو! تمہیں تمہاری زندگی کے یہ قیمتی لمحات مبارک ہوں! یہ مقدس حاضری مبارک ہو!

مگر خیال رہے کہ جب تم واپس آؤ تو تمہاری زندگیاں تعلیماتِ نورِ خدا سے روشن ہوں۔ وہاں مناسکِ حج ادا کرتے ہوئے تم حقیقی زندگی کا پتہ پالو! کنکریاں مارتے ہوئے دشمنِ آدم ''ابلیس'' کو اپنی زندگیوں سے خارج کردو! قربانی کرتے ہوئے اپنے رب کی رضا پہ راضی ہوتے ہوئے خود کو ہر قربانی کے لئے تیار کرلو! طواف کرو تو کعبۃ اللہ کو اپنی زیست کا مقصد بنالو! عرفات میں کھڑے ہوتے ہوئے، آخرت کا منظر نامہ سامنے رکھو! مزدلفہ سے گزرتے ہوئے، خدا کی نافرمانی سے تائب ہو جاؤ، منیٰ میں ٹھہرتے ہوئے اللہ کی عظمت و کبیریائی سے دلوں کو آراستہ کرلو۔ احرام اس لئے باندھو کہ سب کچھ یہیں چھوڑ کر جانا ہے، تہی دامن تہی دست .....اور احرام اس لئے اُتارو کہ اب دنیا میں جاکر، ہر چیز سے بے نیاز ہونا اور اپنے ہر کام پر آخرت کو ترجیح دینا ہے۔

اے عازمین حج،

سرورِ کائنات محبوبِ خدا کی تمہیں شفاعت نصیب ہو!

اللہ کی تم پر سلامتی ہو

اللہ تمہارے حج کو قبول و منظور کرے۔ آمین

بیا اے ہم نفس! با ہم بنالیم

بپائے خواجہؐ چشماں را مبالیم

ترجمہ: اے دوست! آ ہم اکٹھے مل کر نالہ و فریاد کریں (اور) اپنے آقا محمد ﷺ کے پائے مبارک پر اپنی آنکھیں ملیں۔

☆☆☆